ناشر
جامعہ ربانی منوروا شریف سمستی پور بہار الھند

منصبِ صحابہ

اپنے موضوع پر اس انداز کی پہلی کتاب :-

جس میں معیارِ حق کی واضح تشریح، اس سلسلے میں ہونیوالے تمام اعتراضات کے تشفی بخش جوابات، قرآن وحدیث اور اقوالِ علماء سے مضبوط دلائل اس دلچسپ انداز میں پیش کئے گئے ہیں۔ جن کا حق پسندی اور دیانت کے ساتھ مطالعہ امت میں پیدا شدہ انتشار ختم کر دے گا۔ (انشاء اللہ)

از

مفتی اختر امام عادل قاسمی
معین مدرس دارالعلوم دیوبند
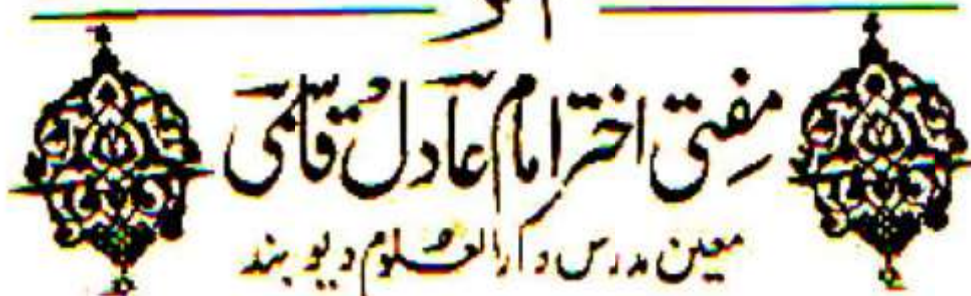
جامعہ ربانی منورواشریف سمستی پور بہار الھند

انتساب

صحابہ کرام کی اس مقدس جماعت کے نام جس کی عظمت کے گواہ زمین و آسمان ہیں۔ اور جس کے تقدس کی داستان کائنات کے ذرہ ذرہ پر ثبت ہے۔

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

بار اوّل ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ذی قعدہ ۱۴۰۹ھ

نام کتاب ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ منصبِ صحابہ

مصنف ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اختر امام عادل قاسمی

کتابت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ منظور الحسن قاسمی اعظمی

تعداد اشاعت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ایک ہزار (۱۰۰۰)

ناشر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ محمد عرفان سعیدی دربھنگوی

قیمت :۔ روپے ۔

ملنے کے پتے :۔

۱ ۔ دارالکتاب دیوبند ۔ (یوپی)

۲ ۔ ادارۂ علم و حکمت دیوبند (یوپی)

۳ ۔ کتب خانہ دارالاشاعت کولوٹولہ کلکتہ ۷۳

۴ ۔ اشرفی کتب خانہ بخشی بازار ، الہ آباد (یوپی)

۵ ۔ کمرہ نمبر ۲ دار جدید ، دارالعلوم دیوبند (یوپی)

۶ ۔ محمد عرفان سعیدی رضی اللہ منزل کمرہ نمبر ۵ دیوبند

۷ ۔ محمد سعید صاحب پھول بازار محلہ شیخ پورہ دربھنگہ (بہار)

۸ ۔ مولانا محفوظ الرحمٰن صاحب مدرسہ واشریف بستی پور (بہار)

عرض ناشر

یہ وقت فتنوں کا ہے۔ طرح طرح کی فرقہ بندیاں اور اختلافات ہو رہے ہیں آج ایک نئی فرقہ بندی صحابہ کرام کی آڑ میں پہونچ چکی ہے۔ مگر اللہ کا ہزار ہزار فضل و احسان ہے کہ علماء دیوبند نے ان فتنوں کا بروقت تعاقب کیا اور ان کو خندق میں ڈھکیل دیا اسی سلسلے کی ایک کڑی یہ کتاب "منصب صحابہ" ہے جو آپ کے ہاتھوں میں اپنی تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ موجود ہے۔

اس کتاب کا پس منظر بڑا دردناک ہے۔ مجھے خود بہت دنوں تک تلاش رہی اور اس جستجو میں کتنی کتابیں چھان ڈالا کہ معیار حق کے مسئلہ کے خط و خال کیا ہیں؟ اور اس میں کیا حق ہے اور کیا غلط ہے؟ ——— میں خدائے پاک کے احسانات کا بہت ممنون ہوں کہ اس نے میری رہنمائی اس کتاب "منصب صحابہ" کی طرف فرمائی۔ واقعہ یہ ہے کہ میرے مخلص و مشفق جناب مولانا مفتی احترام عادل صاحب معین مدرس دارالعلوم دیوبند جو میرٹھ وغیرہ اطراف میں اکثر تقریر و مناظرہ کی غرض سے جاتے رہتے ہیں۔ یوں تو ان سے میری ملاقات ہوتی رہتی تھی، مگر اتفاق سے ایک ملاقات کے دوران ان کے پاس ایک خط پر نگاہ پڑی جو انہوں نے اسی مسئلہ پر مناظراتی پروگرام کے تحت جماعت اسلامی کے ایک عالم کے نام تحریر کیا تھا۔ مجھے اس میں اس مسئلہ کے تمام خط و خال مل گئے۔ اور میری خواہش ہوئی کہ اس کو زیور طباعت سے آراستہ کیا جائے پھر میرا گنگوہ جانا ہوا۔ وہاں اپنے بعض اکابر مثلاً مولانا قیام احمد صاحب وغیرہ کو یہ خط دکھلایا۔ ان لوگوں نے بھی اپنی بے حد پسندیدگی کا اظہار کیا۔ اور میرے ارادے کی تائید کی، ——— پھر واپسی پر میں نے مفتی صاحب موصوف سے اصرار کیا کہ اس کو مکمل کتاب مرتب کریں، چنانچہ انہوں نے چند دنوں میں یہ کام مکمل کر دیا۔

یہی وہ کاوشیں ہیں جو آپ کے سامنے بشکل کتاب پیش ہے اللہ مجھکو کتاب پڑھنے والوں اور تمام مسلمانوں کو اس سے خوب فائدہ پہونچائے اور اس کتاب کے ذریعہ امت کے درمیان ہونیوالے تمام اختلافات ختم ہو جائیں آمین۔ والسلام

محمد عرفان سعیدی سوپول بازار کلا شیخ پورہ پوسٹ بیرول دربھنگہ (بہار)

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعارف

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ اجمعین۔

برصغیر میں علم وعمل کی دولت اُن علمائے ربانیین کی وجہ سے باقی اور جاری ہے۔ جو مدارس دینیہ قائم کرکے تعلیمات اسلام کی اشاعت میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ کتاب وسنت کی تعلیم یہیں سے مسلمانوں میں پھیلتی ہے۔ صحیح عقائد اور پاکیزہ اخلاق کی تربیت یہیں عملاً دی جاتی ہے ان مدارس کا سب سے بڑا مرکز دارالعلوم دیوبند ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں سے وابستہ علماء کو کچھ ایسا مزاج عطا کیا ہے کہ وہ بُرے بھلے کی تمیز بہت جلد کر لیتے ہیں یہ درا صل اس راستہ پر گامزن ہیں جس کے متعلق حدیث میں نشاندہی کی گئی ہے ما انا علیہ واصحابی۔

اس جماعت دیوبند کو اتباع سنت کا خاص ذوق بخشا گیا ہے یہ مسلّم ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست تعلیم صحابہ کرام نے پائی ہے اور ان سے تابعین نے اور تابعین سے تبع تابعین نے، یہی سلسلہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی تک

پہونچا ہے اور وہاں سے حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی تک، اور پھر پورے برصغیر بلکہ عجم و عرب کے تمام خطوں میں پھیلتا چلا گیا ہے۔

اس جماعت کو جو عقیدت و محبت رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ کچھ ایسی ہی محبت و عقیدت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی ہے۔ جب کوئی شخص یا جماعت قصداً یا بلا قصد صحابہ پر اعتراض کرتی ہے۔ یا ان کی شان صحابیت کے خلاف کچھ لکھتی ہے۔ تو علماء دیوبند بجا طور پر مضطرب ہوجاتے ہیں۔ اور کتاب وسنت کی روشنی میں ان کی غلط فہمیوں کا ازالہ اپنا فرض سمجھتے ہیں، اور اس وقت تک ہماری اس جماعت کو چین اور اطمینان حاصل نہیں ہوتا۔ جب تک غلط فہمیوں کا بالکلیہ ازالہ نہ ہوجائے۔

پچھلے دنوں کچھ لوگوں نے صحابہ کرام کے سلسلہ میں ایسا رویہ اختیار کیا جس سے صحابہ کرام کی جماعت پر حرف آتا تھا۔ اور کتاب و سنت میں جن مسلمانوں کو بصیرت تامہ حاصل نہیں ہے ان میں اس سے غلط فہمی پیدا ہوسکتی تھی۔ اسلئے ضرورت تھی کہ ایک مستقل کتاب اس موضوع پر لکھی جائے۔ اور صحابہ کرام کے منصب و مقام کو واضح کیا جائے۔ اور اس طرح اس کی وضاحت ہو کہ کسی ذی فہم کو اس کے سمجھنے میں دشواری نہ ہو، خواص و عوام دونوں برابر مستفید ہوسکیں۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا کرے برادر عزیز مولانا مفتی اختر امام عادل سلمہ اللہ (فاضل دیوبند) کو جو ایک ایسے علمی

خانوادہ کے چشم و چراغ ہیں جو چار پانچ پشتوں سے مسلسل علوم دینیہ کی خدمت میں منہمک ہے۔ ان کے پر دادا حضرت مولانا عبدالشکور صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن عثمانی کے ممتاز تلامذہ میں شمار ہوتے تھے۔ ایمانی حرارت اور غیرت دینی اس خاندان کا ہر زمانہ میں طرۂ امتیاز رہا ہے۔

اس ہونہار نوجوان عالم دین نے صحابہ کرام کے معیار حق ہونے کو قرآن پاک، حدیث نبوی، اقوال ائمہ اربعہ اور فقہ و اصول فقہ کے مضبوط دلائل سے ثابت کیا ہے۔ بیسیوں مستند کتابوں کے حوالے درج کتاب ہیں۔ اسلوب بیان مثبت اور زبان شگفتہ و سلیس ہے نہ کسی کی ذات پر حرف گیری ہے۔ بلکہ صحابہ کرام قدسی صفات کو اللہ تعالیٰ نے جو مرتبہ عطا کیا ہے اس کا بیان ہے۔

صحابہ کرام جنہوں نے براہ راست زبان و عمل نبوی سے استفادہ کیا ہے اور دین سارا کا سارا ان ہی کے واسطے سے ہم تک پہونچا ہے۔ اگر یہ خدانخواستہ مجروح ہو جاتے ہیں، تو سارا دین مشتبہ ہو کر رہ جائے گا۔ جن کے متعلق قرآن پاک کا اعلان ہے رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ، اور لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ فعلم ما فی قلوبہم فانزل السکینۃ علیہم واثابہم فتحا قریبا۔

قرآن پاک میں متعدد جگہ کہا ہے ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ وکفیٰ باللہ شھیدا۔ جس کا حاصل یہ ہے اسلام تمام ادیان پر غالب ہو کر رہے گا۔ یہ

علیہ السلام سچ پوچھئے تو ظاہری اور نمایاں طور پر آپ کے بعد دورِ صحابہ کرام میں حاصل ہوا، اور انہوں نے اس کی اشاعت پر اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔ جب قرآن پاک کی یہ آیت سامنے آتی ہے۔

محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء
بینہم تراہم رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللہ و
رضوانا سیماہم فی وجوہہم من اثر السجود ذٰلک
مثلہم فی التوراۃ ومثلہم فی الانجیل کزرع اخرج
شطأہ فآزرہ فاستغلظ فاستوی علی سوقہ یعجب
الزراع لیغیظ بہم الکفار۔ وعد اللہ الذین آمنوا
وعملوا الصالحات منہم مغفرۃ و اجرا عظیما (الفتح)

تو صحابہ کرام کا نقشہ آنکھوں میں پھر جاتا ہے۔

اس آیت شریفہ میں صحابہ کرام کی اللہ تعالیٰ نے جو مدح و ستائش اور منقبت بیان فرمائی ہے اور صحابہ کرام کے جاہ و جلال اور ان کے دور کی شان و شوکت کا نقشہ کھینچا ہے وہ ایسا نہیں ہے کہ کوئی مسلمان اس آیت کے رہتے ہوئے صحابہ کرام پر نکتہ چینی کی جرأت کر سکے۔ چنانچہ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی نے اپنے فوائد تفسیر میں لکھا ہے۔

"اسلامی کھیتی کی یہ تازگی اور رونق و بہار دیکھ کر کافروں کے دل غیظ و حسد سے جلتے ہیں۔ اس آیت سے بعض علماء نے یہ نکالا ہے کہ صحابہ سے جلنے والا کافر ہے"

حدیث نبوی کے الفاظ ہیں۔

اللہ اللہ فی اصحابی لا تتخذوھم غرضاً من بعدی من احبھم فبحبی احبھم ومن ابغضھم فببغضی ابغضھم (مشکوٰۃ)

اس کے بعد بھی اگر کسی مسلمان کے دل میں صحابہ کرام سے کسی درجہ میں بدظنی پیدا ہوتی، یا کوئی اس بدظنی کا سبب بنتا ہے تو اس کو سوچنا چاہیے کہ اس کا شمار کن لوگوں میں ہوگا۔

مختصر یہ کہ عزیز مکرم کی یہ کتاب وقت کی ایک اہم ضرورت پورا کرتی ہے اور مسلمانوں کو اس دلدل میں پھنسنے سے بچاتی ہے جس سے مومن کے ایمان کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔ مری دعا ہے کہ موصوف کی یہ پہلی کتاب آئندہ علمی ترقی کا زینہ بنے اور اللہ تعالیٰ ان کی یہ محنت قبول فرمائے۔

طالب دعا:

محمد ظفیر الدین غفرلہ

مفتی دارالعلوم دیوبند

۱۸ / شعبان ۱۴۰۹ھ

"رائے گرامی"

حضرت مولانا ریاست علی صاحب مدظلہم، ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ! اما بعد۔

کسی وسیع وعریض مفہوم کو مختصر الفاظ میں ادا کرنے کے لئے جو الفاظ وضع کئے جاتے ہیں انہیں اصطلاح کہتے ہیں اور اس کا بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ انسان مختصر لفظ میں تفصیلی بات کہنے پر قادر ہو جاتا ہے۔ اس مقصد کے تحت ہزاروں اصطلاحات وضع کی گئیں اور جب تک انسان کا علمی وفنی سفر جاری ہے اس وقت تک اصطلاحات کی وضع کا کام جاری رہے گا۔

"معیار حق" ایک ایسا ہی لفظ ہے جس کا لغوی استعمال تو ہر دور میں ہوتا رہا ہے لیکن اصطلاح کے طور پر اس کا استعمال متقدمین اور متاخرین کے یہاں نہیں ملتا۔ عصر حاضر کے بعض مذہبی رہنماؤں کی تحریروں میں یہ لفظ اصطلاح کی طرح استعمال ہوا۔ یعنی ان اہل قلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ذواتِ قدسیہ کو ہدفِ تنقید بنانے کے لئے جو خوبصورت تعبیر اختیار کی وہ یہ تھی کہ رسول خدا کے علاوہ کسی کو معیار حق نہ سمجھا جائے۔ مفہوم یہ تھا کہ صحابۂ کرام کی ذات،

ان کے افعال و احوال حق و باطل کے درمیان خط امتیاز کھینچنے کے لئے کافی نہیں ہیں۔ یہ آزاد قلم حضرات تو اپنی نارو اجسارتوں میں اتنے آگے تک گئے کہ ان کے نزدیک تو معاذ اللہ انبیاء کرام کو بھی بسا اوقات نفس بشریہ کی رہزنی کے خطرات پیش آتے ہیں۔ استغفر اللہ۔

اس اصطلاح کے پردے میں صحابہ کرام کو ہدف تنقید بنانے کا عمل امت میں پہلی بار نہیں پیش آیا تھا بلکہ پہلی صدی میں شیعہ اور خوارج کی جانب سے یہ کام شروع کر دیا گیا تھا۔ جبکہ پروردگار عالم الغیب والشہادۃ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی یہ اعلان کرا دیا تھا۔

اذا رایتم الذین یسبون — جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے
اصحابی فقولوا لعنۃ اللہ — صحابہ کو برا کہتے ہیں تو یہ کہو کہ
علی شرکم۔ (رواہ الترمذی) — تمہارے شر پر خدا کی لعنت ہو

اس لئے عصر حاضر میں جب "معیار حق" کی خوب صورت اصطلاح وضع کر کے صحابہ کرام کے حریم تقدس کی پامالی کی ناپاک جسارت کی گئی تو اس دور کے علماء دیوبند کے سید الطائفہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ نے اس کو پہچان لیا۔

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش — من انداز قدت را می شناسم

اور الحمد للہ کہ اکابر دیوبند اور علماء دیوبند کے بروقت تنبہ اور تیاقب سے امت اس بڑے فتنے سے آگاہ ہوئی اور اس کا زور بھی کم ہوا اب دار العلوم دیوبند کے معین المدرسین عزیزم مولینا اختر امام عادل سلمہ اللہ نے ایک مفصل تحریر مرتب کی ہے جس میں انہوں نے واضح کیا ہے کہ امت مسلمہ کے ارباب علم و اجتہاد و پیشوایان

زہد و تقویٰ ہمیشہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے نقشِ قدم تلاش کرتے رہے ہیں اور جس سلسلے میں بھی انہیں کسی صحابی کا نقشِ قدم مل گیا ہے اس سے سرِ مو تجاوز نہیں کیا۔ اس کا صاف مفہوم یہ ہے کہ صحابۂ کرام کو امت کے صلحاء و علماء نے ہمیشہ معیارِ حق قرار دیا ہے ۔ ـــــــــ کیونکہ معیار کا مفہوم یہی ہے کہ اس کو حق و باطل کے لئے پرکھنے کا ذریعہ سمجھا جائے۔ انہوں نے واضح کیا ہے کہ جس طرح انبیاء کرام علیہم السلام کو پروردگارِ عالم نے عصمت کی دولت سے نواز کر معیارِ حق قرار دیا ہے۔ اسی طرح صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں جگہ جگہ اپنی رضا کا اعلان کر کے انہیں بھی امت کے لئے حق و باطل کی پہچان کا ذریعہ بنایا ہے کیونکہ اللہ کی رضا ایسی ہستیوں سے متعلق نہیں ہو سکتی جن کے تمام کام احکامِ خداوندی کے مطابق نہ ہوں۔

عزیزِ محترم کا یہ مفصل مضمون ایک ضرورت کی تکمیل اور مسلکِ دیوبند کے ایک مخصوص مسئلہ کی قابلِ اعتماد تشریح ہے۔ دعا ہے کہ پروردگارِ عالم اس کو حسنِ قبول سے نوازے۔ اور عزیز موصوف کے قلم کو دینِ مبین کی خدمت کے لئے بہتر استعمال کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

ریاست علی غفرلہٗ

۱۴ر شعبان ۱۴۰۹ھ

"کلمات طیبہ"

جامع المعقول والمنقول استاذ الاساتذہ حضرت العلّامہ مولانا محمد حسین صاحب بہاری مجدہم استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند

جس وقت پوری دنیا میں کفر و شرک، اور جہالت و بدعت کی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ عین اسی گھنگھور گھٹا میں آفتاب نبوت طلوع ہوا۔ یعنی پیغمبر انسانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں مبعوث کئے گئے ہیں آپ نے شرک و جہالت، اور بدعت و وہم پرستی کے خلاف پوری جد و جہد کی۔ مگر تاریخ کا یہ المناک واقعہ ہے کہ آپ کی تحریک کے شروع ہوتے ہی، دنیا کی تمام باطل طاقتیں اسلام کے بالمقابل کھڑی ہوگئیں۔ اور اسلام سے برسرپیکار ہو گئیں ——— آوازۂ حق کو پست کرنے کے لئے سب سے پہلے ان ظالم طاقتوں اور باطل عناصر نے حق پرستوں پر ظلم و ستم کا سلسلہ شروع کیا۔ اور ان پر مصائب و آلام کے وہ پہاڑ توڑے جن کا تصور بھی سوہانِ روح ہے مگر قدرت کے فیصلہ کے تحت جب ان ظالموں کو اس راہ میں کامیابی نہ مل سکی، تو انہوں نے جنگ کا سلسلہ شروع کیا۔ اور اسلام کے بالمقابل میدانِ کارزار گرم کر دیا۔ لیکن ظالموں

کو اس میدان میں بھی شکست فاش ہوئی۔ تو مجبور ہوکر انہوں نے تیسرا میدان، تقریر و تحریر کا اختیار کیا۔ اور اس راستہ سے داخلی اور خارجی تمام دشمنوں نے ایک ہوکر اسلام کی دنیا پر پیہم حملے شروع کردیئے مگر اللہ نے اسلام کی حفاظت کی، اور اس کی تصویر مسخ ہونے سے بچالی۔ اس طرح کے فتنے قدیم و جدید ہر زمانے میں ابھرے۔ قدیم دور میں ان فتنوں کے نام۔ اعتزال، شیعیت، خارجیت، باطنیت وغیرہ اور دور جدید میں قادیانیت، مشرقیت وغیرہ فتنے بھی انہی کے نقوش قدم پر چل رہے ہیں۔

انہی داخلی فتنوں کی ایک کڑی وہ جماعت ہے جس نے صحابہ کے معیار حق ہونے کا انکار کیا — اور اس راہ سے کوشش کی، کہ پورے دین اسلام۔ اور پورے ذخیرۂ قرآن و حدیث کو ناقابل اعتبار بنادیا جائے۔ اس لئے کہ صحابہ ہی پورے ذخیرۂ اسلام کے اولین راوی ہیں۔ اگر انہی پر سے اعتماد اٹھ جائے اور وہی معیار حق نہ قرار پاسکے تو پورا دین اور قرآن و حدیث کا پورا ذخیرہ ناقابل اعتماد اور غیر معتبر ہوجائے گا — یہ فتنہ اپنے ظاہری رنگ روپ کے اعتبار سے اگرچہ اتنا شدید نہ ہو، لیکن درحقیقت یہ ایک زبردست اور خطرناک فتنہ ہے۔ جس کا اسلام کو سامنا ہے — ضرورت اس کی تھی کہ مسئلہ معیار حق کی بے غبار تشریح، اور اس کے تمام خط و خال کی مکمل وضاحت، عصری اسلوب میں پیش کی جاتی۔ اور اس بارے میں ہونے والے تمام اعتراضات کے تشفی بخش جوابات دیئے جاتے۔

مجھے بڑی مسرت ہے کہ عزیزم مولانا اختر امام عادل صاحب قاسمی پوری سلمہ فاضل دیوبند معین المدرس دارالعلوم دیوبند نے اس ضرورت کا احساس کیا۔ اور اپنی اس کتاب میں اس کی تکمیل کی کامیاب کوشش کی ہے ــــ اگرچہ قلت وقت اور اپنی معذوری کی بنا پر میں پوری کتاب کا بالاستیعاب مطالعہ نہ کر سکا۔ تاہم اس کے عنوانات اور شروع، آخر، درمیان جہاں سے دیکھا اور سنا۔ اس سے اندازہ ہوا کہ موضوع کا کوئی پہلو ایسا نہیں رہ گیا ہے جو تشنہ رہ گیا ہو ــــ ہر پہلو پر سیر حاصل تحقیقی بحث کی گئی ہے۔ نظائر کے ذریعہ مسائل کی وضاحت کی گئی ہے۔ اس میں خاص طور پر جو چیز مجھے محسوس ہوئی وہ یہ کہ عنوانات بڑے جامع اور دلپذیر لگائے گئے ہیں۔ ان کے ذیل میں آنے والے مضامین کا مکمل نچوڑ ان کو کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ غرض طرز نگارش، تحقیقی اسلوب، اور ہر مسئلہ کی بے غبار تشریح یہ سب ان خصوصیات کے حامل ہیں۔ جن کو نباہنا عزیز ہی کا حصہ تھا ــــــــ اللہ عزیز کو مزید ترقیات سے نوازے قلم کی روانی اور تیز کرے اور اپنے دین کی خدمت کے لئے چن لے۔ آمین۔

ع ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد۔

میں تمام مسلمانوں کو مشورہ دیتا ہوں کہ اس کتاب کا ضرور مطالعہ کریں۔ اس لئے کہ اس موضوع پر اگرچہ بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں۔ لیکن اس انداز اور اس تفصیل و تشریح کے ساتھ میرے علم میں یہ پہلی کتاب ہے اس

کے مطالعہ سے اطمینانِ قلب حاصل ہوگا۔ اور پھر انشاء اللہ کسی بھی طالبِ حق کو کسی قسم کا تذبذب اس مسئلہ میں باقی نہ رہے گا۔

والسلام

محمد حسین غفرلہٗ
۲؍شعبان سنہ ۱۴۰۹ھ
استاذ دارالعلوم دیوبند
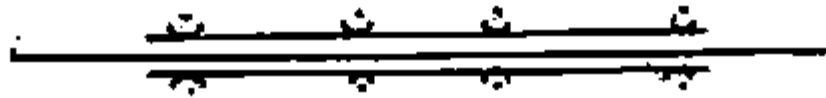
نہیں تیرا نشیمن قصرِ سلطانی کے گنبد پر
تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

محدث کبیر حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری زید مجدہم

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ! اما بعد!

سید المرسلین خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے جو دین انسانوں کی ہدایت کے لئے نازل فرمایا ہے وہ دائمی بھی ہے اور عالمگیر بھی ہے۔ دائمی کا مطلب یہ ہے کہ تا دوام دنیا یہی دین رائج رہے گا۔ کسی اور نبی کے ذریعہ، یا کسی اور ملت کے ذریعہ یہ دین منسوخ نہیں ہوگا۔ اور عالمگیر و آفاقی ہونیکا مطلب یہ ہے کہ تمام اولاد آدم کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث فرمائے گئے ہیں۔

—— متفق علیہ روایت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جو چھ خصوصیتیں بیان فرمائی ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ

وکان النبی یبعث الیٰ   ہر نبی صرف اپنی قوم کی طرف
قومہ خاصۃ وبعثت   مبعوث کیا جاتا تھا اور میں تمام
الی الناس عامۃ [1]   لوگوں کیطرف مبعوث کیا گیا ہوں۔

---

[1] مشکوٰۃ شریف کتاب الفضائل والشمائل۔ باب فضائل سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم الفصل الاول ملتقطاً مصری ۲۲۳

لہٰذا تمام انسانیت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے مگر سورہ جمعہ میں اس امت کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ایک حصے کی طرف تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت بلا واسطہ ہے۔ اور دوسرے حصے کی طرف بعثت بالواسطہ ہے۔ ارشادِ باری ہے۔

هو الذی بعث فی الامیین	اللہ ہی ہیں جنہوں نے دور دیکھے،
رسولاً منهم یتلو علیهم	ناخواندہ لوگوں میں انہی میں سے ایک
آیاته و یزکیهم و یعلمهم	پیغمبر بھیجا۔ جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ
الکتاب و الحکمة و ان کانوا	کر سناتے ہیں۔ اور ان کو پاک کرتے
من قبل لفی ضلال مبین	ہیں اور ان کو کتاب اللہ اور دانشمندی
و آخرین منهم لما یلحقوا	کی باتیں سکھلاتے ہیں اگرچہ یہ لوگ
بهم و هو العزیز الحکیم ۞	آپ کی بعثت سے قبل کھلی گمراہی میں تھے

اور دوسرے لوگوں کی طرف بھی (آپ کو مبعوث فرمایا) جو انہی میں سے ہیں
جو ابھی ان میں شامل نہیں ہوئے ہیں اور اللہ زبردست حکمت والے ہیں

ان دو آیتوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت جن لوگوں کی طرف ہوئی ہے ان کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے ایک امیین اور دوسرے آخرین، یعنی جزیرۃ العرب کے لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بلا واسطہ امت ہیں آپ انہی میں مبعوث ہوئے، اور انہی میں آپ نے کام کیا۔ اور جب ان لوگوں میں آپ کا کام پایۂ تکمیل کو پہونچ گیا تو سورۂ نصر نازل ہوئی۔ اور اس کے ذریعہ آپ کو اطلاع دی گئی کہ آپ کا کام دنیا میں پورا ہو چکا۔ اب آپ اللہ سے ملنے کی تیاری شروع کیجئے۔

امت محمدیہ کا دوسرا حصہ آخرین یعنی عرب کے علاوہ دنیا کے تمام انسان بھی آپ کی امت ہیں۔ مگر وہ بالواسطہ امت ہیں ان تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام امت کے پہلے حصے کے ذریعہ پہونچے گا اسی وجہ سے آخرین کا امیین پر واؤ کے ذریعہ عطف کیا گیا ہے اور عطف کے لئے جہاں فی الجملہ اتحاد ضروری ہے وہیں یک گونہ مغایرت بھی ضروری ہے۔ اتحاد تو اس طرح ہے کہ امیین اور آخرین دونوں ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہیں اور مغایرت اس طرح ہے کہ ایک بلا واسطہ ہے۔ اور دوسری امت بالواسطہ ہے۔

جو لوگ زمانۂ قدیم کی تاریخ سے واقف ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ عرب اور عجم کے درمیان وسیع خلیج حائل تھی۔ ایک طرف عجم عربوں کو امی یعنی ناخواندہ گردانتے تھے تو دوسری طرف عرب اپنے سوا تمام باشندگانِ عالم کو عجمی یعنی بے زبان جانور کہتے تھے۔ الغرض انسانوں کے دونوں طبقوں کے درمیان آسمان وزمین کا بُعد تھا۔ اسی کی طرف لما یلحقوا بہم میں اشارہ کیا گیا ہے کہ یہ آخرین اب تک عربوں کے ساتھ ملے نہیں ہیں علیحدہ ہیں مگر لما کے ذریعہ جو نفی کی جاتی ہے، وہ صرف حال تک ممتد ہوتی ہے۔ اور آئندہ وقوع فعل کی توقع باقی رہتی ہے جیسے لما یات زید (زید ہنوز نہیں آیا ہے) یعنی آئندہ اس کے آنے کی توقع ہے۔ اسی طرح آخرین اب تک عربوں کے ساتھ نہیں ملے ہیں۔ مگر آئندہ ملنے کی امید ہے۔ اور اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والے ہیں جب وہ کوئی بات چاہیں تو وہ پوری ہو کر رہتی ہے۔ چنانچہ اسلام کی طویل

تاریخ سے جو لوگ واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ بہت جلد وہ دن لوگوں نے دیکھ لیا کہ عرب وعجم شیر وشکر ہو گئے۔ اور انما المومنون اخوۃ کا اعلان حقیقت بن گیا۔

جب صورت حال یہ ہے جو ہم نے عرض کی تو اللہ اور بندوں کے درمیان تبلیغ دین کے لئے جو واسطے منتخب کئے جاتے ہیں اور جنہیں عرف عام میں انبیاء ورسل کہا جاتا ہے۔ ان کے قول وفعل کا حجت ہونا اور ان کے طرزِ زندگی کا معیار حق ہونا ایک ناگزیر بات ہے کیونکہ انبیاء جب اللہ کا یہ حکم بندوں کو پہونچائیں گے کہ اقیموا الصلوٰۃ (نماز کا اہتمام کرو) تو ساتھ ہی وہ نماز پڑھ کر بھی دکھائیں گے اور جس طرح وہ نماز پڑھیں گے اس کو نمونۂ عمل بنانا ضروری ہوگا غرض انبیاء کو اسوہ بنائے بغیر نازل شدہ دین کی تفصیلات جانی نہیں جا سکتیں۔ اسی وجہ سے ایک موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو نماز پڑھ کر دکھائی اور پھر ارشاد فرمایا۔

صلوا کما رأیتمونی اصلی۔ اسی طرح نماز پڑھو، جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے۔

الغرض انبیاء کا توسط ماننا۔ اور پھر ان کی ذات پر اعتماد نہ کرنا یہ کالجمع بین الضب والنون (گوہ اور مچھلی کو اکٹھا کرنا) ہے اور بسلامتی ہوش وحواس کسی مسلمان کے دل میں اس کا وسوسہ بھی نہیں گذر سکتا، کہ انبیاء کے بارے میں اسے ذرہ برابر بھی بدگمانی اور بے اعتمادی ہو، اللہ کی کتاب فرقان اور معیار حق ہے تو اس کتاب کو انسانیت تک پہونچانے والی ذات، اور اس کتاب

کی تبیین و تشریح کے سلسلے میں کیا ہو اس کا عمل بھی یقیناً قرآن اور معیار حق ہے

اس ضروری تفصیل کے بعد جاننا چاہیئے کہ آخرین یعنی ساری دنیا تک اللہ کی کتاب پہونچانے کے لیے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سنانے کے لیے اللہ نے بطور واسطہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو منتخب فرمایا ہے۔ صحابہ کی یہی وہ جماعت ہے جو حضور کی تشریف بری کے بعد اٹھی اور چاردانگ عالم پھیل گئی اور اس وقت کی معلوم دنیا کے آخری سرے تک دین مصطفوی کا ڈنکا بجادیا کوئی صحابی کسی طرف نکل گیا۔ اور دوسرا دوسری طرف چل پڑا۔ اور تیسرا کہیں اور نکل گیا۔ غرض جس کو جدھر موقع ملا اس نے وہاں پہونچکر پیغام محمدی سنایا ——— جب صحابۂ کرام تبلیغ دین میں واسطہ قرار پائے تو اب ضروری ہے کہ جس طرح انبیاء کرام تبیین دین کے سلسلے میں معیار حق ہوتے ہیں۔ افراد صحابہ کو بھی یہ مقام حاصل ہو۔ کیونکہ اس کے بغیر واسطہ بننے کی کوئی شکل نہیں ہے۔ آپ غور فرمائیے کہ ہندوستان میں جو صحابہ آئے اور انہوں نے اللہ کا حکم واقیموا الصلوٰۃ پہونچایا تو ہندوستان کے لوگوں کو اس کی تفصیلات کیسے معلوم ہوئیں۔ ان لوگوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نہیں کی۔ نماز پڑھتے دیکھنے کا تو سوال ہی کیا؟ ان لوگوں کو نماز اس صحابی نے پڑھکر دکھائی ہے جو ہندوستان تشریف لائے اس وقت اقیموا الصلوٰۃ کی تفسیر میں صحابی کے اس نماز پڑھنے کو ہی حجت یعنی معیار حق تسلیم کرنا ہوگا۔

اب یہ کس قدر عجیب بات ہے کہ صحابہ کا توسط تو تسلیم کیا جائے مگر ان کے قول و فعل کو حجت نہ گردانا جائے۔ اسی توسط اور صحابہ کے توسط معیار حق ہونے کی طرف اس حدیث شریف میں اشارہ فرمایا گیا ہے جس میں یہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ

اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اھتدیتم — میرے صحابہ کی مثال ستاروں جیسی ہے ان میں سے جس کی بھی پیروی کروگے راہیاب ہوگے

ستاروں سے بر و بحر کی اندھیری راتوں میں رہنمائی کا کام قدیم زمانے سے لیا جاتا رہا ہے۔ اور آج بھی ترقی یافتہ اور غیر ترقی یافتہ دونوں دنیا رات کی تاریکیوں میں کسی بھی ثابت ستارے کو گائیڈ بنا کر سفر طے کرتے ہیں۔ اسی طرح کسی بھی صحابی کو اسوہ اور نمونۂ عمل بنا کر اس کے نقشِ قدم پہ چلنے والا کامیاب ہے۔ جماعت صحابہ میں سے ہر فرد کو یہ رتبہ اور مقام اس لئے دیا گیا ہے کہ حضور ؐ کے بعد حضور ؐ کا پیغام لے کر ہر جگہ تمام صحابہ یکساں طور نہیں پہونچ سکتے ہیں۔ کوئی فرد کسی ملک جائے گا تو دوسرا فرد دوسری جگہ جائے گا۔ بس اس ملک کے باشندے اسی صحابی کو جو ان کے یہاں پہونچے ہیں۔ اسوہ اور نمونۂ عمل بنائیں گے، کیونکہ وہ رسول کے رسول ہیں[1]۔ اسی طرح ہر صحابی آئندہ نسلوں کے لئے بھی اسوہ اور معیار حق ہے۔ جس طرح انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنے پورے دور میں معیار حق ہوتے ہیں اسی طرح صحابہ کی مقدس جماعت قیامت تک آنے والی انسانیت کے لئے معیار حق ہے۔

[1] جب حضرت معاذ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے [illegible]

اس سلسلے میں نہایت اہم ارشاد حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ کا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضؓ نے ایک موقع پر امت کے لئے یہ ضابطہ بیان فرمایا کہ

من کان مستنا فلیستن بمن قد مات فان الحق لا تؤمن علیہ الفتنۃ۔

جو شخص اقتدا کرنا چاہے، پس چاہئے کہ وہ اس شخص کی اقتدا کرے جو (صراط مستقیم پر) وفات پاچکا ہے اس لئے کہ کسی زندہ کے بارے میں گمراہی سے اطمینان نہیں کیا جا سکتا۔

یعنی آدمی جب تک زندہ ہے معرض فتن میں ہے اور کسی بھی وقت اس کے گمراہ ہوجانے کا اندیشہ ہے۔ اس لئے جو لوگ کسی زندہ کی اندھا دھن پیروی کرتے ہیں۔ ان کا مقتدا ان کے لئے کسی بھی وقت گمراہی کا سبب بن سکتا ہے۔ تاریخ میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں، لیکن جو شخصیتیں زندگی بھر صراط مستقیم پر جمی رہیں۔ اور ایمان وہدایت پر ان کی پوری زندگی بسر ہوگئی۔ انکی پیروی کرنے میں اب کسی قسم کا خطرہ اور اندیشہ نہیں ہے۔

یہ ضابطہ بیان فرمانے کے بعد حضرت ابن مسعود رضؓ نے جماعت صحابہ کو اس ضابطے سے مستثنیٰ کیا۔ اور ارشاد فرمایا۔

اولئک اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کانوا افضل ھذہ الامۃ ابرھا قلوبًا

یہ حضرات جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی ہیں۔ اس امت سے بہترین لوگ ہیں۔ سب سے زیادہ نیک دل اور سب سے

زیادہ علم میں گہرائی رکھنے والے ہیں۔ اور جن میں بناوٹ نام کو بھی نہیں ہے۔

حضرت ابن مسعود رضؓ نے اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ آدمی تین وجوہ سے فتنے کا شکار ہوتا ہے، اور گمراہی کے دلدل میں پھنستا ہے۔
۱۔ بدنیتی ۲۔ علم کی کمی ۳۔ بناوٹ اور تکلف ——— آپ گمراہ جماعتوں کے بانیوں کا اگر جائزہ لیں گے تو ان تین وجوہ میں سے کوئی نہ کوئی ایک وجہ ضرور مل جائے گی۔ یا تو اس کی نیت خراب ہوگی اور دیدہ و دانستہ اپنے مفادات کے پیش نظر لوگوں کو اپنے ساتھ لے کر گمراہی کے گڑھے میں جا گرے گا۔ یا اس میں علم کی کمی ہوگی، قرآن وحدیث کا سرسری مطالعہ کر کے، دین کی کچھ کتابوں کو پڑھ کر بزعم خود مجتہد بن جائے گا۔ اور "نیم ملا خطرہ ایمان" ثابت ہوگا۔ یا پھر اس میں بناوٹ اور تکلف ہوگا۔ اور وہ صرف عالم دین ہونے کا ڈھونگ رچے گا۔ اور گمراہی کا سبب بنے گا۔ جیسا کہ جاہل پیروں میں یہ بات مشاہد ہے۔

مگر اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو گمراہی کے ان تینوں اسباب سے محفوظ رکھا ہے۔ وہ نہایت نیک دل حضرات تھے۔ بدنیتی اور دلوں کا کھوٹ ان کے پاس سے ہو کر بھی نہیں گزرا تھا اور علم میں گیرائی وگہرائی کا یہ عالم تھا کہ ہر شخص پوری شریعت کے حقیقی مزاج سے واقف ہو چکا تھا اور ڈھونگ بناوٹ اور تکلف کا ان کی زندگیوں میں کوئی شائبہ تک نہیں پایا جاتا تھا۔ اسی وجہ سے اس امت کا بہترین طبقہ ان کو قرار دیا گیا اور اسی قرآن کریم کی

شہادت بھی موجود ہے کنتم خیر امۃ کا مصداق اولی جماعت صحابہ ہی ہے۔ جیسا کہ حضرت فاروق اعظم نے اس کی وضاحت فرمائی ہے اور جسے آگے آپ کتاب میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

آگے حضرت ابن مسعود رض نے ارشاد فرمایا کہ

اختارھم اللہ لصحبۃ ان کو اللہ نے چن لیا ہے اپنے نبی
نبیہ ولاقامۃ دینہ کی رفاقت کے لئے اور اپنے دین
کو برپا کرنے کے لئے۔

اس ارشاد میں حضرت ابن مسعود رض نے سمجھایا ہے کہ صحابہ کرام کا یہ مقام اور ان کی یہ شان کیوں ہے؟ حضرت کے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ صحابہ کرام کا انتخاب اللہ تعالیٰ نے تبلیغ دین کا واسطہ بننے کے لئے فرمایا ہے کہ یہ جماعت حضور کی صحبت میں رہ کر دین کا علم حاصل کرے گی۔ پھر وہ خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغامبر بن کر ساری دنیا میں دین کی دعوت پہونچائے گی۔

جب اس مقصد کے لئے صحابہ کا انتخاب کیا گیا تو اب صحابہ کے بارے میں بدگمانی۔ اور ان کے حجت و معیار حق ہونے میں شک وارتیاب (نعوذ باللہ) اللہ کے انتخاب پر انگلی رکھنا ہے جس کی کسی مسلمان سے کبھی توقع نہیں کی جاسکتی۔

اس کے بعد حضرت ابن مسعود رض نے فرمایا۔

فاعرفوا لھم فضلھم پس آپ لوگ صحابہ کرام کی برتری
واتبعوھم علی آثارھم سمجھیں۔ اور ان کے نشانِ قدم
وتمسکوا بما استطعتم من کی پیروی کریں۔ اور ان کے

اخلاقہم وسیرہم فانہم اخلاق وعادات اور ان کے طریقہ
کانوا علی الھدی المستقیم زندگی میں سے جس قدر ممکن ہو اپنالیں
اسلئے کہ وہ حضرات ہدایت کے سیدھے راستے پر تھے -

بدقسمتی سے ہمارے ہندوستان میں نصف صدی پہلے ایک
ایسی تحریک وجود میں آئی ۔ جس نے اپنے دستور اساسی میں اس کی
صراحت کی کہ انبیاء کرام ع کے علاوہ کوئی شخص تنقید سے بالاتر نہیں
ہے اور کسی کی ذہنی غلامی جائز نہیں ہے ۔ بزرگان دیوبند نے جن کے
اس وقت کے سرخیل حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس
سرہ سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند تھے ۔ اس جماعت سے یہ
کہہ کر اختلاف کیا ۔ کہ اس دستوری دفعہ کی زد براہ راست حضرات صحابہ
کرام رضی اللہ عنہم پر پڑتی ہے ۔ اور صحابہ کی جماعت تمام اہل سنت والجماعت
کے نزدیک وہ جماعت ہے جس کی روایات ہی صرف حجت اور
واجب التسلیم نہیں ہیں ۔ بلکہ اس جماعت کا قول وفعل بھی دین میں
دیگر نصوص کی طرح حجت ہے -

اس وقت سے لے کر آج تک اس مسئلہ پر بہت کچھ
لکھا جاچکا ہے ۔ اور اس جماعت کی طرف سے بار بار اس کی صفائی کی
جاتی رہی ہے کہ ہماری مراد صحابہ کی جماعت نہیں ہے ۔ اور ہم صحابہ پر
تنقید کے روادار نہیں ہیں مگر دوسری طرف اس جماعت نے

لہ مشکوٰۃ شریف باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ الفصل الثالث ص۳۲ مصری واخرجہ
ابن عبد البر فی جامع بیان العلم وفضلہ ص۹۷ ج۲ - ۱۲

آج تک اپنے دستور اساسی سے اس دفعہ کو نہ تو حذف کیا ہے اور نہ اسکی ایسی تشریح کی ہے۔ جس سے صحابہ کرام کا اس دفعہ سے مستثنیٰ ہونا سمجھا جاتا ہو۔ بلکہ آئے دن اس جماعت کی طرف سے ایسی تحریریں سامنے آتی رہتی ہیں جن میں وہ بعض صحابہ پر ایسی تنقیدیں کرتے ہیں جسے خود اپنی جماعت کے بانی کے لئے وہ برداشت نہیں کر سکتے اس صورت حال میں ان کی صفائی ہاتھی کے دکھانے کے دانتوں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔

الغرض یہ ایک مناقشاتی موضوع بن گیا ہے ضرورت تھی کہ اس مسئلہ پر رد و قدح سے علیحدہ ہوکر مثبت انداز میں کوئی مختصر کتاب لکھی جائے تاکہ کھلے ذہن کے لوگ اس کا مطالعہ کریں اور ٹھنڈے دل و دماغ سے اس مسئلہ پر غور کریں۔

مجھے خوشی ہے کہ ہمارے دارالعلوم دیوبند کے ہونہار فاضل جناب مولانا اختر امام عادل سمستی پوری جو فی الحال دارالعلوم دیوبند میں تدریس کی مشق کر رہے ہیں اور معین المدرسین کی حیثیت سے پڑھا رہے ہیں۔ انہوں نے ایسی ہی کتاب لکھی ہے جس کی عرصہ سے خواہش تھی۔ میں آج کل ایک عارضی بیماری میں مبتلا ہوں جس کی وجہ سے میں اسے بنظر غائر تو نہ دیکھ سکا ہوں۔ مگر میں نے پوری کتاب سنی ہے اور میں پورے وثوق کے ساتھ یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ اس کتاب میں جس طرح اس مسئلہ کی تحلیل کی گئی ہے اور جس دلچسپ انداز میں دلائل قاری کے ذہن نشین کرنے کی کوشش کی گئی ہے انشاء اللہ یہ کتاب غیر مطمئن ذہنوں کے لئے بھی باعث تشفی ہوگی اور عام

مسلمانوں کے لئے بھی زیادتی ایمان - اور صحابہ کرام کی قدرشناسی کا ذریعہ ثابت ہوگی ۔

حضرت ابن مسعود رضؓ کے ارشاد کا آخری جملہ پیش نظر رکھ کر ہی یہ کتاب لکھی گئی ہے تاکہ لوگ صحابہ کی فضیلت سمجھیں اور ان کے آثار قدم کی پیروی کریں - اور اپنی زندگی کو ان کے اخلاق و عادات اور ان کے طریقہ حیات پر ڈھالیں - ان کی طرف سے بدگمانی قائم کر کے یا ان کو ہدف ملامت بنا کر اپنے خرمن ایمان کو پھونک نہ دیں ۔

میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ اس کتاب کو قبول فرمائے اور تمام مسلمانوں کو اس سے خوب فیضیاب فرمائے (آمین)

وما ذالک علی اللہ بعزیز وصلی اللہ علی النبی الکریم وعلی آلہ وصحبہ اجمعین والحمد للہ رب العالمین ۔

سعید احمد عفا اللہ عنہ

خادم دارالعلوم دیوبند ۔

۱۵ رشعبان المعظم س۱۴۰۱ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ اوّل

حامداً و مصلیاً! امابعد

(۱)

اتحاد ایک عظیم طاقت ہے۔ اتحاد اگر ہو تو زمانے کا پورا نظام بدلا جا سکتا ہے۔ اگر اتحاد نہ ہو تو تبدیلِ نظام کے سلسلے کی تمام تگ و دو بے کار اور غیر نتیجہ آور ہے۔ نظام تو نہیں بدل سکتا البتہ تجربہ یہ ہے کہ اس قسم کی منتشر جدوجہد موت کا سامان ضرور فراہم کر دیتی ہے۔

متحد ہو تو بدل ڈالو زمانے کا نظام
منتشر ہو تو مرو شور مچاتے کیوں ہو

کسی بھی نظام کی اصلاح کے لئے جدوجہد کرنے والوں کے درمیان اتحاد و اتفاق ضروری ہے اگر کسی بھی مرحلے پر اتحاد میں کمزوری آئی تو اصلاح کی طویل سے طویل کوشش بھی رائیگاں ہو جائے گی۔

دینِ اسلام جو اتحادِ اقوام کا زبردست داعی ہے۔ اور قرآن پاک نے ہمیشہ یہ اعلان تمام انسانیت کے لئے کیا ہے کہ۔

تعالوا الی کلمۃٍ سواءٍ ۔ تم سب ایسی بات کی طرف آجاؤ جو
بیننا و بینکم ۔(الآیۃ) ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے

ایک دوسری جگہ کہتا ہے ۔

واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا ۔ اور اللہ کی رسی کو تم سب مضبوطی سے
ولا تفرقوا ۔ (الحدیث) ۔ ساتھ پکڑلو اور الگ الگ نہ ہوؤ ۔

اتحاد کی اسی طاقت سے اسلام کی زبردست اشاعت ہوئی ۔ اہل اسلام کے درمیان شروع میں کچھ جزدی اختلافات ضرور ہوئے مگر اسلام کی تبلیغ اور اس کے نشر واشاعت کے معاملے میں وہ سب متحد تھے اور جو کوئی بھی قرآن وحدیث اور مذہب اسلام کے نام پر کوئی دعوت دیتا تھا تو تمام کے تمام مسلمان اس کی دعوت پر لبیک کہتے تھے ۔ اس لئے کہ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ اسلام کی تبلیغ واشاعت اور حفاظت وحمایت کے معاملے میں اختلافات کی آڑ لیکر اسلام کے لئے جد وجہد سے پیچھے رہنا درحقیقت اسلام کے ساتھ غداری ہے ۔ اور جو بیعت ہم نے اللہ اور رسول سے کی ہے اسے توڑنا ہے ۔

مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ جس اسلام کا نقش ماضی اتنا پاکیزہ اور طاقتور ہے اس کا حال اس سے اتنا ہی بدل چکا ہے اور اگر حال ایسا ہی منجمد رہا کسی انقلاب سے آشنا نہ ہوا ۔ تو اس کے مستقبل کے بارے میں بھی کچھ نیک توقعات نہیں کئے جا سکتے ۔

آج کی صورت حال تو علامہ اقبال کی زبان میں یہ ہے جس پر اقبال بہت لطیف مگر زبردست ریمارک کرتے ہیں ۔

؎

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی ۔ دین بھی ایمان بھی ایک

حرم پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

فرقہ بندی ہے کہیں، اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں، ہیں۔

مسلمانوں میں فرقہ بندی ہو چکی ہے ان کا اتحاد پارہ پارہ ہو چکا ہے ذات پات کی لڑائی اور گروہی تعصب نے ان کی قوتوں کو مضمحل کر دیا ہے۔ اور عرصہ پہلے جس اختلاف کی چنگاری بیدار ہوئی تھی۔ وہ آج آتش فشاں بن چکی ہے۔ اور مسلمانوں کی اکثریت اسی آتش فشاں کیطرف قدم اٹھا رہی ہے ——— مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ جب خدا اور رسول بھی ایک دین و ایمان بھی ایک، قرآن و حدیث بھی ایک قبلہ و کعبہ بھی ایک، تو پھر مسلمانوں کے درمیان اختلاف کیوں ہے؟ اگر مسلمان بھی ایک ہوتے تو کیا ہی بڑی بات ہوتی۔

آج ایک شخص دین کی ایک مجلی دعوت لے کر اٹھتا ہے اپنے دل کے درد کو لوگوں کے سامنے کھول کھول کر بیان کرتا ہے۔ امت کے لئے اس کے سینے میں جو سوز ہے۔ اس کی گرمی دوسروں کو بھی محسوس کرانے کی وہ کوشش کرتا ہے، نہایت محبت و عاجزی کے ساتھ اپنی فریاد پوری ملت کے سامنے رکھتا ہے۔ اپنے درد کا درماں۔ اپنے زخم کا مرہم، اور اپنے اضطراب کے لئے قرار کا مطالبہ کرتا ہے۔ اور جس اتحاد پر مسلمانوں کے ہاتھوں نے دست درازیاں کی ہیں۔ اس کو دوبارہ امت میں قائم کرنا چاہتا ہے ——— مگر اس کی تمام فریادوں اور بلبل بے تاب کی سی نواؤں کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا جاتا ہے کہ یہ فلاں

گروپ کا آدمی ہے۔ یہ فلاں مسلک کا حامی ہے۔ اس کے باپ دادا نے میرے ساتھ اس قسم کے سلوک کئے تھے۔ یہ ایک غریب اور بے علم گھرانے کا آدمی ہے وغیرہ ـــــ سوچئے کہ اگر خود آپ کے ساتھ اس قسم کا معاملہ کیا جاتا تو آپ کے دل پر کیا گذرتی۔ اور کیا اپنی ذات کے لئے آپ اسے گوارا کرتے؟ کیسا مقامِ حسرت ہے؟ جسے آپ اپنے لئے پسند نہیں کرتے وہ اپنے ہی جیسے دوسرے مسلمان بھائی کے لئے روا رکھ رہے ہیں۔ اور اس کی تذلیل و توہین کی جتنی بھی کوششیں ہو سکتی ہیں وہ آپ کر گذرتے ہیں۔

یاد رکھئے اختلافات کی خلیج ہمارے درمیان اگر اسی طرح قائم رہی اور ہماری حالت نہیں بدلی تو وہ اسلام جو ابھی خود اپنے ماننے والوں کے گھروں میں بھی بے نوا اور غریب الدیار ہے اور اپنے ماننے والوں سے نالاں ہے۔ ایک ایسا وقت بھی آسکتا ہے جبکہ اسلام کا چراغ ہمارے گھروں سے گل ہو جائے۔ اور ہم ہمیشہ کے لئے اس کی روشنی سے محروم ہو جائیں ـــــ اسلام کا چراغ تو کبھی گل نہیں کیا جاسکتا۔ اس کی ضیا پاشیاں تو زمین کے کسی نہ کسی گوشے میں قیامت تک جاری رہیں گی۔ افسوس اس کا نہیں کہ اسلام کے چراغ کو باطل کی آندھیاں اور کچھ اپنوں کی بے التفاتیاں نقصان پہونچانا چاہتی ہیں۔ خدا کا یہ اعلان برحق ہے کہ اسلام کا چراغ ہمیشہ روشن رہے گا۔ دُنیا کی تمام باطل طاقتوں کی پھونکیں اسے بجھا نہیں سکتیں۔

ع پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

یریدون لیطفئوا نور اللّٰہ ۔ یہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھانا

بافواھھم واللہ ۔۔۔ چاہتے ہیں حالانکہ اللہ اس کی روشنی
متم نورہ ولو کرہ الکافرون کو کامل کرنے والا ہے ۔ اگرچہ کافر لوگ
ناپسند کریں ۔

افسوس ان گھروں کا ہے جو مغربی آندھیوں کی زد میں ہیں اور اسلام کی روشنی سے محروم ہوتے جا رہے ہیں ۔ غم ان آشیانوں کا ہے جن کے ارد گرد تاریکی چھا چکی ہے اور اندیشہ یہ ہے کہ اندر کا ٹمٹماتا ہوا نور بھی کہیں ختم نہ ہو جائے ماتم ان دلوں کا ہے جو شعار اغیار پر فریفتہ ہو چکے ہیں ۔ اور دین و مذہب کی محبت و عقیدت ختم ہوتی جا رہی ہے اور فکر اس آنے والی انسانیت کی ہے جسے ہماری غلطیوں کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا ۔

اسلئے اگر اسلام کے لئے کوئی غم کرنا گوارا نہ ہو تو نہ سہی اپنا غم تو ہونا چاہیئے اور ہمیں اپنی حالتوں کے بدلنے کی فکر کرنی چاہیئے

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن ۔

(۲)

اختلاف سے ایک عظیم نقصان تو یہ ہوتا ہے کہ پوری ملت کھوکھلی ہو جاتی ہے اور اس کے قویٰ مفلوج ہو جاتے ہیں ۔ دوسری ایک خطرناک بیماری یہ پیدا ہوتی ہے کہ پھر کسی مسئلہ پر اور اس کے کسی پہلو پر صحیح طور سے سوچنے کی توفیق میسر نہیں ہوتی ۔ خاص طور پر مختلف فیہ مسائل میں غیر جانبداری کے ساتھ غور کرنے کا کوئی تصور ہی

دونوں فریقوں کے ذہن میں نہیں ابھرتا۔ یہ وہ دینی اور اخلاقی مرض ہے جس کے بداثرات اتنے گہرے اور ناقابلِ تلافی ہیں جو بیان سے باہر ہیں۔ اس کی وجہ سے ضد، ہٹ دھرمی اور بے جا عصبیت پیدا ہوجاتی ہے اور پورے دین اور مذہب کے مکمل مجموعۂ قوانین کو انسان ایک ہی نقطۂ نگاہ سے دیکھنے لگتا ہے ــــــ اس وقت یہ توقع بعید از امکان ہوجاتی ہے کہ کسی مختلف فیہ مسئلہ کو حل کرنے کی کوئی تدبیر کارگر ہوگی اور دونوں فریق کسی ایک مکتبِ فکر پر جمع ہوسکیں گے۔

قدیم زمانے میں بھی اس قسم کا منظر دیکھا جا چکا ہے کہ بہت سے اختلافات لفظی اختلافات سے زیادہ نہ تھے لیکن تاریخ یقین کے ساتھ نہیں بتا سکتی کہ محض اسی لفظی اور غیر حقیقی اختلاف سے مسلمانوں کی کتنی قیمتی جانیں اور بیش بہا قوتیں ضائع ہوئیں اور موجودہ زمانے میں بھی وہی صورتِ حال لوٹ آئی ہے۔ امت کے درمیان سینکڑوں اختلافات ہوچکے ہیں۔ پھر بھی ہر فریق اسی کا دم بھرتا ہے کہ ہمیں امت کی خیر خواہی مقصود ہے۔ ہم امت کو تباہی و ہلاکت کی راہ سے بچا کر کامیابی اور ترقی کی شاہراہ پر لانا چاہتے ہیں ــــ لیکن اس کے باوجود کوئی فریق اس کے لئے تیار نہیں ہے کہ جن مسائل میں اختلاف ہے۔ ان میں سے کسی بھی مسئلہ پر یکسوئی کے ساتھ غور کرے۔ اور دونوں کی جو خلیج مسلمانوں کے درمیان قائم ہوگئی ہے اس کو پاٹنے کی کوشش کرے۔

(۳)

صحابۂ کرام کے معیار حق ہونے کا مسئلہ بھی ان مسائل میں سے ہے۔ جن سے اختلافات اور دوریاں جنم لیتی ہیں صرف اس ایک مسئلہ کو لیکر امت کے دو بڑے طبقے کے، بیان غیر معمولی تناؤ پیدا ہو گیا ہے اور اختلاف کا وہ سلسلہ چل پڑا ہے، جس کے ختم ہونیکی ابھی تک کوئی امید نظر نہیں آتی —— میرا اپنا خیال یہ ہے کہ یہ بحث بھی محض لفظی ہے اختلاف کی بنیاد صرف یہ ہے کہ معیار حق کا لفظ متقدمین کی قدیم تعبیرات میں نہیں ملتا متقدمین نے انبیاء کرام یا صحابۂ کرام کے لئے اس مفہوم کو ادا کرنے کے لئے جو اصطلاح اختیار کی تھی وہ معیار حق کی نہ تھی بلکہ حجیت کی تھی۔ حجیت کا مطلب یہ ہے کہ ان سے استدلال درست ہے جب ان کو یہ کہنا ہوتا تھا کہ فلاں شخص معیار حق ہے تو اس کے لئے وہ یہ کہتے تھے کہ وہ حجت ہے ——

حجت کا مطلب بھی وہی ہے جو معیار حق کا ہے۔ معیار حق بھی اس شخص کو کہتے ہیں جو غلط اور صحیح کے لئے دلیل بن سکتا ہو۔ اس کا قول و فعل قابل استدلال ہو۔ اور حجت بھی متقدمین کی اصطلاح میں اسی شخص کو کہتے ہیں جو قابل استدلال ہو جس کا قول و عمل حق و باطل کے لئے معیار ہو —— جب ہمارے دور میں جدید اصطلاح قائم ہوئی اور بجائے حجت کے معیار حق کا لفظ استعمال کیا گیا تو یہ مسئلہ پیدا ہوا کہ کون معیار حق ہے اور کون نہیں ہے۔ حالانکہ یہ مسئلہ پیدا ہونا تھا تو معیار حق کی اصطلاح پر نہیں بلکہ شروع ہی میں لفظ حجت پر ہونا تھا۔ اس بارے میں جو بھی رد و قدح ہوئی ہوگی۔ وہ ہمیں معلوم نہیں۔ لیکن بہرحال یہ یقینی

ہے کہ بطور نتیجہ جو آخری بات مل پائی وہ یہ تھی کہ خدا اور رسول کیساتھ صحابہ بھی حجت ہیں جیسا کہ تفصیلی طور پر آپ کتاب میں مطالعہ فرمائیں گے

جس شخص کے سامنے یہ پورا پس منظر ہو۔ وہ اس کے سوا کیا کہہ سکتا ہے کہ معیار حق کے مسئلہ پر جو بھی اختلاف ہوا۔ وہ محض لفظی تھا۔ اس کے اصل مفہوم میں کسی کو اختلاف نہیں ہے پھر نہیں معلوم یہ کیسا اختلاف ہے ؟ کیا اختلاف اس کا ہے کہ لفظ معیار حق حجت کے لئے استعمال کیا جائے یا نہیں ؟ یا اس کا کہ اسلاف نے جو صحابہ کو حجت قرار دیا تھا وہ صحیح تھا یا غلط ؟ یا اختلاف اس کا کہ صحابہ کو چھوڑنے کے بعد جو من مانی آزادی حاصل ہو سکتی ہے اس سے فائدہ اٹھایا جائے یا نہیں ؟ یا اس کا کہ اس مسئلہ کو لے کر امت میں جدید فرقہ بندی پیدا کی جائے یا نہیں ؟ ـــــ میں نہیں سمجھ سکا کہ اختلاف کیوں ہے ؟ اور اس اختلاف کا حاصل سوائے امت مسلمہ کے نقصان کے اور کیا نکل سکتا ہے ؟ ۔

(۴)

ذہن و دماغ کی یہی وہ حیرانی تھی اور دل کا یہی وہ اضطراب تھا۔ جس سے متاثر ہو کر میرا ارادہ ہوا کہ ایسی بنیادیں تلاش کی جائیں جو سب کے لئے قابل تسلیم ہوں اور اسلاف کی اصطلاح اور جدید اصطلاح کے درمیان ایسی موافقت اور ربط پیدا کیا جائے جو معقول ہو اور اختلافات کے ذریعہ امت جو تباہی کے دہانے پر پہونچ چکی ہے ان اختلافات کو ختم کرنے کی تدبیر کی جائے۔ ممکن ہے

کہ ایک مکتب فکر پر سب لوگ جمع ہو جائیں۔ جو کوئی نیا مکتب فکر نہ ہو بلکہ معیار حق کی وہ واضح تشریح ہو جس سے غلط فہمی کی تمام تر بنیادیں تنزلزل ہو جائیں۔ اور تشریح بھی کوئی نئی نہ ہو بلکہ متقدمین کے نظریات سے ماخوذ ہو۔

ورنہ کوئی وجہ نہیں تھی کہ اس مسئلہ پر خواہ مخواہ کی طبع آزمائی کی جاتی۔ خصوصاً اس وقت جبکہ دونوں طرف سے اس موضوع پر بیشمار کتابیں اور مضامین لکھے جا چکے ہیں۔ علماء دیوبند کی طرف سے بھی۔ اور مولانا ابو الاعلیٰ مودودی کی جانب سے بھی اپنے اپنے ذوق کے مطابق بہت سی مدلل اور تیسی کتابیں لکھی گئیں۔ اس وقت میری کسی قسم کی کاوشِ فکر یا جنبشِ لب لفظی کھیل سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی

لیکن اس کی ضرورت صرف اس لئے میں نے محسوس کی کہ معیار حق کے ثبوت یا نفی پر یقیناً بہت سی کوششیں ہوئیں۔ اور اس کے لئے قرآن و حدیث اور اقوالِ سلف کے ڈھیر بھی لگا دیے گئے، لیکن اصل چیز جس پر ساری بحث ہونی چاہیئے تھی وہی مجھے کسی جگہ نہیں ملی۔ ہر قلمکار کا قلم اٹھتے ہی اس پر دوڑ پڑتا ہے کہ معیار حق کے ثبوت یا نفی کے لئے دیکھو یہ آیات ہیں یہ احادیث ہیں۔ اور یہ سلف کے اقوال ہیں۔ قطع نظر اس کے کہ دلیل دعویٰ پر واضح طور پر منطبق ہو یا نہ ہو اور جو اعتراضات اور غلط فہمیاں ہیں وہ دور ہوں یا قائم رہیں اور نہ اس سے کوئی بحث کہ آپ جس مسئلہ پر دلائل پیش کرتے جا رہے ہیں۔ اس کا مفہوم کیا ہے؟ آپ کی اس لفظ سے

کیا مراد ہے ؟ اور آپ جو ہمیں سمجھانا چاہتے ہیں وہ ہے کیا ؟ دلائل کا نمبر تو بعد میں ہے پہلے تو اصل مسئلہ کو واضح کیجئے کہ مسئلہ کیا ہے ؟ اور اس میں اختلاف کیوں ہے ؟ اور اس سلسلے میں اشکالات کیا ہیں ؟ مگر ہمارا قلمکار ہزاروں ذہنوں سے اٹھنے والے ان سوالات کو نظرانداز کرتا ہوا اپنی دھن میں رواں دواں ہو جاتا ہے ـــــ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ لوگ معیار حق کے مفہوم سے خوب واقف ہیں۔ اور اس مسئلہ کے تمام خط وخال ان پر واضح ہیں۔ حالانکہ واقعہ اس کے خلاف ہے۔ اسے ٹھہر کر اپنے مخاطب کے تمام سوالات سننے چاہئیں۔ اور ان کے معقول سوالات کے جوابات دینے چاہئیں۔

(۵)

اور اسی وجہ سے میں نے اپنے مقالے کی ترتیب یہ رکھی ہے کہ

۱۔ اولاً مسئلہ معیار حق کی واضح تشریح اسلاف اور اکابر امت کی تحریرات کی روشنی میں پیش کی ہے۔

۲۔ اس کے بعد اس سلسلے میں جتنی معقول رکاوٹیں اور غلط فہمیاں ہیں ان کے مکمل اور تشفی بخش جوابات دیئے ہیں۔

۳۔ پھر اس کے بعد تشریح کردہ تصور پر قرآن وحدیث اور اقوال علماء سے ثبوت پیش کئے ہیں۔ اور ہر دلیل کی ایسی تشریح کی ہے جو پیش کردہ تصور پر پوری طرح منطبق ہو جائے۔ اور چونکہ یہ کوشش مجھے ہر دلیل میں کرنی پڑی ہے۔ اسی لئے جگہ بجگہ طریقہ

انطباق میں تکرار سا ہوگیا ہے۔ جس کے لئے میں اپنے قارئین سے معذرت خواہ ہوں خدا کرے میری یہ کوشش مقبول ہو۔ اور اعتماد کے بارے میں میرا خواب شرمندۂ تعبیر ہو۔

(۶)

ایک بات یہاں یہ بھی صاف کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ مجھے اس کی طرف توجہ دینے کی کوئی ضرورت نہیں تھی اور نہ اختلافی مسائل میں الجھنا میرا ذوق ہے۔ مگر زندگی میں جہاں بہت سے حادثات آتے ہیں اور انسان کو ہزاروں انقلابات کا سامنا کرنا پڑتا ہے — وہیں اسے بھی میں اپنے لئے ایک بہت بڑا حادثہ سمجھتا ہوں کہ مجھے ان مقامات پر جانے کا اتفاق ہوا جہاں نہایت شدت کے ساتھ یہ مسئلہ عوام وخواص کے درمیان چھڑا ہوا تھا اور اس کا اتنا شدید اثر لوگوں پر تھا کہ جو فاصلہ مسلمانوں اور کافروں کے درمیان ہے۔ تقریباً اسی قسم کا فاصلہ میلادِ حق کے قائلین اور منکرین کے درمیان قائم ہوچکا تھا۔ فالامان والحفیظ نفرتوں اور بدگمانیوں کے ایسے پہاڑ ان کے درمیان حائل تھے جن کو درمیان سے ختم کرنا ناممکن تھا۔ میں نے اس مسئلہ پر کوئی خاص غور نہیں کیا تھا، عام ذہنوں کی طرح میرے ذہن میں بھی اس بارے میں ایک مبہم تصور تھا۔ اور اس مبہم تصور پر وارد ہونے والے اعتراضات کی طرف سے میرا ذہن غافل تھا۔ وہاں پہونچکر جب میرے ذہن و دماغ کو ٹھوکریں لگیں تو آمادگی ہوئی کہ پرانے ماٰخذ سے اس سلسلے میں رہنمائی حاصل کروں چنانچہ اس

میرا اپنا سفر کی کاوشوں اور تگ و دو کے جو نتائج سامنے آئے وہ کتابچہ کی شکل میں آپ کے سامنے ہیں ۔

(۷)

اس سلسلے میں اپنے ان اکابر اساتذہ کا بھی ممنون ہوں جنہوں نے میری اس تشریح، اعتراضات کے جوابات اور تفہیم دلائل کے لئے اختیار کردہ اسلوب سے موافقت کی ۔ اور اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا جنہیں میں نے بسروچشم قبول کیا ۔

یہ تو میرے وہ اکابر ہیں جن کی خدمت میں ۔ میں اپنا یہ مقالہ پیش کر سکا لیکن میرے بہت سے وہ اکابر ہیں جن کو میں سیہ مقالہ باوجود خواہش کے نہ دکھا سکا ۔ ان بزرگوں سے بھی مجھے یہی نیک توقع ہے کہ وہ میری حوصلہ افزائی فرمائیں گے ۔ میری تشریحات کی تائید کریں گے ۔ اور اس سلسلے میں میرے قلم کو جو بھی ٹھوکریں لگی ہیں ۔ ان کی اصلاح فرما کر مشکور ہوں گے ۔

اس بارے میں میری امید صرف اپنے ہم خیال لوگوں تک محدود نہیں ہے ۔ بلکہ اپنے ان مسلمان بھائیوں سے بھی اسی فراخ قلبی کی امید رکھتا ہوں جو اپنے کو ایک فریق سمجھے ہوئے ہیں کہ معیار حق کے بارے میں اس تصور کو کوئی نیا تصور گمان نہ فرمائیں، بلکہ یہ اسی تصور کی تشریح ہے جو تصور کہ اسلاف کے یہاں ملتا ہے اور جو خود ان کی کتابوں میں موجود ہے ۔ اختلاف خواہ کسی تصور کے بارے میں ہو، لیکن وہ تصور جس کی تشریح اس میں کی گئی ہے

اس میں انشاء اللہ کسی کو اختلاف نہ ہوگا۔ اور کم از کم اس مسئلہ میں اتحاد کی وہ طاقت ہمیں حاصل ہوگی جس سے ہم اپنے اسلام کے لئے کچھ کر سکیں گے۔

چاک اس بلبلِ تنہا کی نوا سے دل ہوں۔
جاگنے والے اسی بانگِ درا سے دل ہوں
یعنی پھر زندہ نئے عہد وفا سے دل ہوں
پھر اسی بادۂ دیرینہ کے پیاسے دل ہوں
عجمی خم ہے تو کیا مے تو حجازی ہے مری
نغمہ ہندی ہے تو کیا لے تو حجازی ہے مری

والسلام
اختر امام عادل۔
معین مدرس دارالعلوم دیوبند
مورخہ ۱۶/ شعبان ۱۴۰۹ھ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس دنیا میں بے شمار تحریکیں اٹھیں اور نہیں معلوم قیامت تک کتنی تحریکیں اٹھتی رہیں گی مگر تاریخ کی غیر جانبدار نگاہ میں ہر تحریک کامیاب نہیں سمجھی گئی، کسی بھی تحریک کی کامیابی کے لئے تاریخ کا ہمیشہ سے فیصلہ رہا ہے کہ سب سے پہلے بانیٔ تحریک کی ذاتی زندگی دیکھی جائے، اس کے بعد اس کی دعوت کی معنویت اور جامعیت پر تنقیدی نگاہ ڈالی جائے۔ اور پھر یہ دیکھا جائے کہ بانیٔ تحریک کے رفقار کار، اور حلقہ نشین کس معیار کے لوگ ہیں ——— آغاز عالم سے لے کر اب تک کی تمام تحریکوں میں وہی تحریک زندہ اور کامیاب سمجھی گئی ہے۔ جو ان تینوں شرائط پر پوری اترتی ہو۔

اگر بانیٔ تحریک کی ذاتی زندگی معیاری نہیں، اس کے اخلاق واعمال پر گرفت کی جا سکتی ہے یا اس کی ذاتی زندگی تو کامیاب ہے۔ مگر اس کی دعوت میں سطحیت ہے، گہرائی اور گیرائی نہیں ہے، یا اس کی ذاتی زندگی بھی بلند ہے۔ اور اس کی دعوت میں کشش اور معنویت بھی ہے۔ مگر اس کے روز وشب کے ساتھی اور ہم نشین لوگ غیر معیاری ہیں، ان کے قول وفعل میں وہ صداقت ودیانت نہیں، جو تحریک کے علمبرداروں اور حامیوں میں ہونی چاہیئے، ان تمام صورتوں میں وہ تحریک ایک مردہ اور بے جان تحریک ہوگی، جس کی ترقی وعروج عارضی، جس کے ماننے والوں کی بھیڑ ریت کے ٹیلے کی مانند، اور جس کے مبلغین

کی سرگرمیاں محض وقتی جذبہ و میلان کا اثر

اس سلسلے میں ذرا بھی تذبذب ہو تو تاریخ کے صفحات سے دریافت کیجئے وہ آپ کو بتائیں گے کہ اگر بانی تحریک کی زندگی کوئی مثالی زندگی نہیں ہے۔ تو اس کی خشت اول ہی غلط ہے۔ اور اگر یہ صدا سنی گئی، کہ فلاں تحریک کی دعوت بے اثر ہے۔ اور اس کی پکار میں جاذبیت و معنویت نہیں۔ تو سمجھو کہ وہ تحریک اپنی تعمیر سے پہلے تخریب کی زد میں آگئی۔ وہ ایک کھوکھلی تحریک ہے، اور اگر تاریخ کی دنیا میں یہ خطرناک آواز گونجی کہ تحریک کے اولین مخاطبین اور بانی تحریک کے حلقہ نشینوں کی زندگی قابلِ گرفت ہے۔ تو بھی یقین کرو کہ وہ تحریک ناکام ہے۔

تاریخ کا یہ فیصلہ تو ان تحریکوں کے بارے میں ہے جنھیں مذہبی تقدس حاصل نہیں ہو سکا، اور جو مذہبی تحریکیں نہیں، بلکہ غیر مذہبی تحریکیں تھیں، جن کا منشاء وجود، الہامی نہیں، بلکہ ذہن انسانی تھا، یہ ان عام تحریکوں کا حال ہے جو وقتی مصلحت و ضرورت کے لئے کچھ بندے لیکر اٹھتے ہیں، اور حیاتِ انسانی کے کسی خاص پہلو کی اصلاح کی امکانی کوشش کرتے ہیں۔

پھر سوچئے کہ ان تحریکوں کا کیا حال ہوگا؟ جنھیں دنیا والے مذہبی تحریک کہتے ہیں حالانکہ مذہب کوئی تحریک نہیں ہوتا، یہ تو بندوں کی زندگی کے لئے ہدایات اور قوانین کا مجموعہ ہوتا ہے، جو خدا اپنے مخصوص بندوں کے واسطے سے اس دنیا میں نازل فرماتا ہے۔ تحریک کا ظاہری مفہوم تو یہ ہے کہ کسی ضرورت کے تحت چند انسانوں نے مل کر ایک اجتماعی تنظیم کی بنیاد ڈالی، اس کے کچھ ضابطے مقرر کئے اور پھر ان کے مطابق جد و جہد شروع کر دی ——— جبکہ مذہب اس سے بالکل مختلف چیز ہے۔ مذہب کسی انسانی دماغ کی پیداوار نہیں ہوتا، بلکہ رب کائنات کی جانب سے بھیجا ہوا مجموعہ

قوانین ، مذہب کہلاتا ہے ـــــ یہاں غور صرف اس پر کرنا ہے کہ جب عام انسانی تحریکوں کے لئے تاریخ کی وہ تین شرطیں (جو اوپر ذکر ہوئیں) معیار کامیابی ہیں تو پھر مذہب کی وہ مقدس تحریکیں اور سرگرمیاں جو کسی وقتی ضرورت سے چند انسانوں کے منصوبے کے تحت وجود میں نہیں آتیں ۔ بلکہ خدائی پروگرام کے تحت وہ دنیا میں نازل کی جاتی ہیں ۔ کیا ان تحریکوں کے لئے تاریخ کی یہ تین شرطیں لازم نہ ہوں گی ؟ اور کامیابی کا یہ معیار شرط نہیں ہوگا ؟ کیا خدائے پاک کے انتخاب میں وہ تین باتیں ملحوظ نہیں رہ سکتیں ، جن سے عام انسان بھی کسی وقت صرف نظر نہیں کرتے ـــــ بلکہ اگر غور کیا جائے ، تو مذہبی جدوجہد میں یہ شرطیں مزید پختگی کے ساتھ لازم ہو جاتی ہیں ۔ اس لئے کہ بانی تحریک کی زندگی کا مطالعہ اس کی دعوت کی جاذبیت اور گہرائی تک رسائی ، اور اس کے ساتھیوں کی زندگیوں کا جائزہ یہ وہ چیزیں ہیں ۔ جن میں عام انسانوں سے غلطی ہو سکتی ہے ۔ اس لئے کہ انسان عالم الغیب نہیں ہے ۔ وہ بسا اوقات ظاہری آثار کو دیکھ کر یہ فیصلہ کر بیٹھتا ہے ، کہ بانی تحریک کی زندگی نہایت معیاری ہے ، حالانکہ واقعہ اس کے خلاف ہوتا ہے وہ بہت مرتبہ لوگوں کی وقتی بھیڑ سے مرعوب ہو کر یہ خیال قائم کر لیتا ہے کہ اس شخص کی دعوت میں بڑی تاثیر ہے ، حالانکہ کچھ ہی عرصہ کے بعد اس دعوت کی اثر اندازی کا پول کھل جاتا ہے ، اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ نہایت ناقص اور بے اثر دعوت تھی ، اسی طرح بعض مرتبہ بانی تحریک کے حلقہ بگوشوں کے ظاہری ادب و آداب ، دولت و ثروت ، اور حلیہ وسراپا کو دیکھ کر انسان یقین کر بیٹھتا ہے کہ یہ لوگ نہایت نیک دل ، صالح اور بہت عقلمند لوگ ہیں حالانکہ یہ ان کے نمائشی اوصاف ہوتے ہیں ۔ حقیقت اس کے بالکل برخلاف ہوتی ہے ۔ غرض انسانی انتخابات یا انسانی جائزے میں غلطی کا امکان بہت قوی ہے ۔ اور انسان

کا اپنے انتخاب اور اپنے جائزے کے ذریعہ کسی صحیح نتیجے تک پہونچنا بالکل یقینی نہیں ہے ــــــــــ ایک طرف انسان کے انتہائی صغری پہ ٹھوکریں پیش نظر رکھئے، دوسری طرف اس مالک کائنات، خدائے پاک کا تصور کیجئے، جو تمام کھلی اور چھپی باتوں کا جاننے والا ہے، اس کا انتخاب کبھی غلط نہیں ہو سکتا ہے کسی دین و مذہب کے لئے اگر خدا کچھ افراد کا انتخاب کرتا ہے، تو اس میں یہ خیال تک نہیں گذر سکتا کہ ہو سکتا ہے کہ خدا سے افراد کے انتخاب میں غلطی ہو گئی ہو، وہ یقیناً انہی افراد کا انتخاب کرتا ہے جن کی زندگیاں نہایت معیاری ہوں اور ایسا ہی مذہب، اور ایسا ہی پیغام بھیجتا ہے جو پر اثر ہو جس میں کشش و معنویت ہو۔

بلکہ اس طرح کہنا زیادہ درست ہے کہ مذہبی جد و جہد اور دینی سرگرمیوں میں تو یہ تین شرطیں بنیادی طور پر ہوتی ہی ہیں۔ ان کے علاوہ کچھ اور بھی شرائط و خصوصیات ہیں جن سے عام انسانی تحریکیں خالی ہوتی ہیں ــــــ اس وقت تمام مذہبی یا غیر مذہبی تحریکوں کا ایک طائرانہ جائزہ بھی مضمون کو طویل کر دے گا۔ اس لئے اس جائزے کو تاریخی ذوق رکھنے والوں کے حوالہ کرتا ہوں

ابھی اس حیثیت سے ہم صرف اسلام کا جائزہ لیں کہ کیا اسلامی تحریک، تاریخی کامیابی کے اس معیار پر اترتی ہے یا نہیں؟ ــــــ تو اس پر پوری تاریخ عالم کا اتفاق ہے، اور اپنے اور پرائے سب نے اعتراف کیا ہے کہ اسلام ایک زندہ اور کامیاب مذہب ہے یہ کسی وقتی جذبۂ اصلاح کا اثر نہیں تھا، بلکہ ایک دائمی انقلاب تھا۔ جس سے دنیا روشناس ہوئی، جب یہ تاریخ کا مسلمہ بن چکا ہے کہ اسلام اپنی جد و جہد، اور رفتار کے اعتبار سے کامیاب مذہب ہے، تو اس سے خود بخود یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اسلام کی پہلی آواز لگانے

والا انسان ایک مثالی اور معیاری انسان تھا، اس کی دعوت میں وہ کشش اور معنویت تھی جس نے پوری کائنات کی توجہ اپنی طرف پھیرلی اور لوگ تنقیدی تحقیقی، تقلیدی ہر نقطۂ نظر سے اسلام کی دنیا میں جھانکنے لگے، اور صحرائے عرب سے اٹھنے والی اس بے یار و مددگار آواز پر لاکھوں اور کروڑوں انسانوں کا مجمع جمع ہوگیا، جو اس کے ساز سے ساز ملانے، اس کے نغمۂ تار پر سر دھننے، اور اس کی صدائے لاہوتی پر قربان ہونے کو اپنے لئے فخر محسوس کرنے لگا، اسی طرح یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ اسلام کے پہلے مخاطبین اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار کے حاضرین، علم و عمل، اور اخلاق و کردار کے اس اعلیٰ معیار پر تھے جس کے بارے میں کوئی انگشت نمائی نہیں کی جا سکتی، ان اولوالعزم انسانوں کی زندگیاں تاریخ کے روشن عنوان ہیں۔

اس تاریخی مسلمہ کے بعد کتنی حیرت انگیز بات ہوگی، جب یہ سوال اٹھایا جائے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا مقام کیا تھا؟ کیا وہ اس قابل تھے کہ ان کی بات مانی جائے؟ تاریخ کے فیصلے کے بعد اس سوال کی گنجائش ہی کیا رہ جاتی ہے، دین اسلام کی کامیابی، سیاسی اور مذہبی دونوں حیثیتوں سے اس کا عروج و ارتقاء، عقلی اور روحانی قدروں کی پاسداری، اور تمام روئے زمین پر تیزی کے ساتھ اس کا پھیلاؤ، یہ سب خود واضح شہادتیں ہیں کہ اس مذہب کے پہلے حاملین ان تمام صفاتِ کمال کے حامل تھے، جو کسی پیغام کے علمبرداروں میں ہونی چاہئیں۔

اس واضح ثبوت کے بعد اگر کسی کے ذہن میں کوئی سوال ابھرتا ہے، تو ایک طرف وہ تاریخی شہادتوں کا انکار کرتا ہے، دوسری طرف اس دینِ مبین کی کامیابی، اور صحابہ کرام پر اعتماد کے بارے میں وہ شک کا شکار ہے۔

اس تاریخی حیثیت کے علاوہ خود اسلامی روایات کی رُو سے بھی اس سوال کی کوئی گنجائش نہیں ہے قبل اس کے ہم آپ کو کسی تفصیل میں لے چلیں یہ بتا دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں اس مفہوم کو ادا کرنے کے لئے جو تعبیر اختیار کی گئی ہے وہ ہے "معیار حق" ـــــ اس لئے معیار حق کے سلسلے میں تحقیقی سفر کرنے والے کی پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنے ذہن میں معیار حق کے بارے میں کوئی واضح تصور قائم کرے۔

معیار حق کا مطلب :-

"معیار حق" کے بارے میں ہمیشہ سے اسلاف امت کا مسلک دو ٹوک رہا، اور ان کا شروع سے اس بارے میں واضح موقف رہا۔ معیار حق کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ "ایسا شخص جس کا قول اور فعل شرعاً حجت ہو اور جس کے نقش حیات کے موافق کام حق اور اس کے خلاف باطل ہو" ـــــ یہ معیار حق کا وہ جامع مفہوم ہے جو گذشتہ صدیوں میں اسلاف نے بھی اختیار کیا تھا، اور اس زمانے میں علماء دیوبند کا بھی یہی مسلک ہے۔

غلط فہمی کا ازالہ :-

البتہ کچھ لوگ معیار حق کا وہ تصور جو اوپر پیش کیا گیا اس کے مطابق صحابہ کرام کے بارے میں طرح طرح کی غلط فہمیوں کے شکار ہو جاتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اوپر ذکر کردہ تعریف کی روشنی میں معیار حق وہ ہے جس کے موافق حق اور اس کے خلاف باطل ہو ـــ حالانکہ صحابہ کرام کے درمیان بے شمار اختلافات ہوئے ایسے مسائل بہت ہیں جن میں صحابہ کی مختلف رائیں رہی ہیں۔ اس وقت اگر

ہر صحابی معیارِ حق ہو، اور اس کے موافق حق اور اس کے خلاف باطل ہو تو ہر مسئلہ حق و باطل کی کشمکش میں مبتلا ہو جاتا ہے نہ اس کو حق کہہ سکتے ہیں، اس لئے کہ وہ ایک صحابی کے اثر و اجتہاد کے مخالف ہے، اور نہ اس کو غلط کہہ سکتے ہیں، اس لئے کہ وہ ایک صحابی کے قول و عمل کے موافق ہے، اس لئے لامحالہ معیارِ حق کے دائرے میں صحابہ کرام داخل نہیں کئے جا سکتے، ان کے نزدیک صحابہ عام انسانوں کی طرح انسان تھے۔

مگر یہ ایک غلط فہمی ہے جس کی حیثیت ایک سطحی تخیل سے زیادہ نہیں ہے، اس قسم کا نقطۂ فکر رکھنے والوں نے غور و فکر سے کام نہیں لیا، —— ان لوگوں نے غور نہیں کیا کہ صحابہ کی جماعت جب معیارِ حق قرار دی گئی، تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ کسی بھی مسئلہ کی حقانیت کا فیصلہ کرنا ہو اور وہ مسئلہ کتاب و سنت سے ثابت نہ ہو، تو صحابہ کی مجموعی تعداد اس کے لئے معیار بنے گی، صحابہ کے سوا کوئی دوسری قوم اس کے لئے معیار نہیں بن سکتی —— اور صحابہ کے معیارِ حق ہونے سے یہی مراد ہے کہ کسی بھی مسئلہ حیات کے حق و باطل کے فیصلے کے لئے کتاب و سنت کے بعد صحابہ کرام معیار ہوں گے۔ کوئی دوسرا معیار نہیں ہو سکتا —— اب یہ الگ مسئلہ ہے کہ جب صحابہ کی جماعت معیارِ حق تسلیم کر لی گئی، پھر اگر ان کے درمیان اختلافات ظاہر ہوئے تو اس اختلاف کے وقت حل کی کیا صورت ہوگی؟ ۔

اس کو ایک مثال سے سمجھا جا سکتا ہے، کہ حدیث نبوی باتفاق اہل سنت معیارِ حق ہے، اب اگر احادیث کے درمیان تعارض و ٹکراؤ معلوم ہو تو محض اس اختلاف و تعارض کی وجہ سے حدیث پاک کو

معیار حق کے منصب سے ہٹایا نہیں جا سکتا، بلکہ اختلافِ احادیث کے وقت اس اختلاف کو حل کرنے کی تدبیر کی جاتی ہے، اولاً تطبیق کی کوشش کرتے ہیں، اگر تطبیق نہیں ہو سکتی ہے تو تاویل کی گنجائش نکالتے ہیں، اگر تاویل کی راہ بھی مسدود نظر آتی ہے تو اس وقت مجتہد اپنی صواب دید کے مطابق کسی ایک کو ترجیح دیتا ہے، جو پہلو اس کو کتاب اللہ اور دوسری احادیث یا اجماع و قیاس کے قریب تر معلوم ہوتا ہے اس کو وہ عمل کے لیے راجح قرار دیتا ہے، لیکن اس ترجیح کے بعد بھی اس کے اعتقاد میں دوسری وہ حدیث جس کو اس نے ترک کر دیا ہے وہ غلط اور ناحق نہیں ہو جاتی بلکہ وہ اب بھی اسے برحق اور معیار حق سمجھتا ہے۔

بالکل اسی نہج پر آثار صحابہ، اقوال صحابہ، اور اختلافاتِ صحابہ کے بارے میں بھی غور کرنا چاہیے، اس غور و فکر میں عجلت یا سطحیت سے کام لینا دانشمندی نہیں ہے، بلکہ ایک حقیقت پسند آدمی کو سوچنا چاہیے کہ صحابہ کی جماعت معیار حق ہے۔ ان نصوص کی وجہ سے جو ہم آئندہ ذکر کریں گے، پھر اگر ان کے درمیان اختلاف ہو جائے تو محض یہ اختلاف ان کی معیاریت حق کو ختم نہیں کر سکتا۔ بلکہ جس طرح احادیث میں ہم نے اختلافات کو حل کرنے کی کوشش کی تھی، وہی کوشش یہاں بھی کی جائے گی، اولاً صحابہ کے مختلف اقوال کے درمیان توفیق کی راہ نکالی جائے گی، اگر توفیق کی راہ نہیں نکلتی تو تاویل کے ذریعہ اختلاف کی تحلیل کی جائے گی، اگر تاویل کی بھی گنجائش نہ ہو تو اس وقت مجتہد اپنی صواب دید کے مطابق، جو اسے کتاب و سنت اور اجماع و قیاس سے قریب تر معلوم ہوگا، اس کو ترجیح دے گا، لیکن اس ترجیح کے بعد بھی دوسرے قول کو وہ غلط اور ناحق نہیں سمجھ سکتا ـــــ

اگر اس ٹھنڈے اسلوب سے غور کیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ سنت نبوی تو اختلاف کے باوجود معیار حق ہو مگر قول صحابی اختلاف کے بعد معیار حق نہ ہو سکے۔

اس کے بعد غور کیا جائے کہ صحابی کے مختلف اقوال میں سے کسی ایک کو ترجیح کا مطلب یہ ہے کہ ان کے اقوال سے خروج درست نہیں اور تمام اقوال کو چھوڑ کر کوئی نیا قول پیدا کرنا درست نہیں، ورنہ اگر صحابہ کے اقوال سے خروج درست ہوتا، اور تمام متعارض اقوال کو ترک کر کے کسی نئے قول کی بنیاد ڈالنی درست ہوتی تو پھر انہی میں سے کسی ایک کو ترجیح کا کیا مطلب ہوگا؟ ان تمام اقوال کو چھوڑ کر اپنی رائے سے کسی قول کو وضع کر لیا جاتا ——— لیکن ایسا نہیں ہے۔ تمام اسلاف امت نے گذشتہ صدیوں میں اور علماء دیوبند نے موجودہ صدی میں اس خروج اور نئے قول کے ایجاد کی اجازت نہیں دی بلکہ صاف طور پر کہا کہ حقانیت صحابہ کے اقوال میں دائر اور منحصر ہے کوئی نیا قول خواہ کتنا ہی بھلا معلوم ہوتا ہو اسے حقانیت حاصل نہیں ہو سکتی۔

دیکھئے معیار حق کا مفہوم، پھر صحابہ کے ذریعہ اس پر وارد ہونے والے اعتراض، اور اس کو حل کرنے کی تدبیر سے نتیجۃً صحابہ کے معیار حق ہونے کا جو تصور سامنے آیا وہ یہ ہے کہ صحابہ کے معیار حق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حقانیت انہی کے اقوال میں دائر ہے، ان کے اقوال سے خروج درست نہیں، انہی میں سے ایک کو ترجیح دینی ضروری ہے اور اس کے باوجود دوسرے اقوال برحق ہیں۔

صحابہ کرام کے معیار حق ہونے کا یہ وہ تصور ہے جس سے نہ

گزشتہ صدیوں میں جمہور کو اختلاف رہا، اور نہ آج کسی اختلاف کی گنجائش ہے، البتہ تعبیر کا فرق ضرور رہا ہے۔ قدیم اصطلاحات میں اس کی تعبیر یوں کی جاتی تھی کہ اقوالِ صحابہ حجت ہیں یا نہیں؟ ان سے استدلال درست ہے یا نہیں؟ اور موجودہ وقت کی جدید تعبیر میں اسے معیارِ حق کہتے ہیں، بات ایک ہی ہے جس کی بات حجت اور قابلِ استدلال ہوگی۔ وہی معیارِ حق بھی ہوگا۔

معیارِ حق کے تصوّر کا ثبوت :-

اب مناسب ہے کہ صحابہ کرام کے بارے میں اس تصور کا ثبوت ہم پیش کر دیں۔ تاکہ واضح ہو سکے کہ اکابر متقدمین کے نزدیک بھی صحابہ کرام کے معیارِ حق ہونے کا یہی تصور تھا، اس سلسلہ میں مذاہب کا تجزیہ کر لینا زیادہ مناسب ہوگا۔

اسلام کے مشہور مذاہب چار ہیں، حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ ان چاروں مذاہب کا ہم الگ الگ جائزہ لیتے ہیں۔

۱۔ حنفیہ :-

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اصول اس سلسلے میں بہت واضح ہے، امام صاحب کا یہ مشہور قول بہت سی کتابوں میں نقل کیا گیا ہے کہ جب کوئی مسئلہ درپیش ہوتا ہے تو ہم اولاً کتاب اللہ پر نظر کرتے ہیں۔ پھر سنتِ رسول اللہ پر، پھر آثارِ صحابہ پر، اگر کسی مسئلہ میں صحابہ متفق ہیں تو اسی پر عمل کرتے ہیں، اور ان کے درمیان اختلاف

کے وقت خلفاء راشدین کے اقوال کو ترجیح دیتے ہیں، پھر بقیہ صحابہ کے اقوال میں سے جو قول کتاب و سنت کے زیادہ قریب محسوس ہوتا ہے اس کو ترجیح دیتے ہیں، صحابہ کے اقوال سے علیحدہ کوئی نئی راہ اختیار نہیں کرتے، البتہ اگر کوئی نیا مسئلہ آجائے جو صحابہ سے ثابت نہیں تو اس میں قیاس سے کام لیتے ہیں۔

امام صاحب کے اس مسلک، اور طرز عمل کو علامہ عبدالوہاب شعرانی نے میزان کبری میں جگہ جگہ نقل کیا ہے۔ مثلاً لکھتے ہیں۔

وفی روایۃ اخری عن الامام انا ناخذ اولا بالکتاب ثم بالسنۃ ثم باقضیۃ الصحابۃ ونعمل بما یتفقون علیہ فان اختلفوا قسنا حکما علی حکم بجامع العلۃ بین المسئلتین حتی یتضح المعنی۔ وفی روایۃ اخری انا نعمل اولا بکتاب اللہ ثم بسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم باحادیث ابی بکر وعمر وعثمان وعلی۔

وفی روایۃ اخری انہ کان یقول ما جاء عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فعلی الرأس والعین بابی ھو وامی لیس لنا مخالفتہ وما جاء عن اصحابہ تخیرنا وما جاء عن غیرھم فنحن رجال وھم رجال[1]۔

امام کی ایک روایت یہ ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ ہم پہلے کتاب اللہ سے استدلال کرتے ہیں پھر سنت سے پھر صحابہ کے

---

[1] میزان کبری ص۶۲ جلد ۱ بحوالہ امداد الباری ص۱۹۹ جلد ۱ ۱۲

فیصلوں سے ، اور جس مسئلہ پر وہ متفق ہوتے ہیں اس پر ہم عمل کرتے ہیں ۔ اور اگر ان کے درمیان اختلاف ہوتا ہے تو ہم کسی جامع علّت کی بناء پر ایک حکم کو دوسرے حکم پر قیاس کرتے ہیں یہاں تک کہ حقیقت واضح ہو جائے امام کی دوسری روایت اس طرح ہے کہ فرمایا ہم پہلے کتاب اللہ کو پکڑتے ہیں پھر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ، اور پھر حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم کے آثار کو ۔

اور امام کی ایک اور روایت میں ان کا قول اس طرح منقول ہے کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے وہ سر آنکھوں پر ۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان میرے لئے مخالفت بالکل جائز نہیں ، اور جو آپ کے صحابہ سے منقول ہو تو اس کو بھی ہم اختیار کرتے ہیں اور جو ان کے علاوہ دوسرے لوگوں سے منقول ہو تو وہ بھی مرد ہیں اور ہم بھی مرد ہیں ۔

کتنی وضاحت کے ساتھ علامہ شعرانی نے امام صاحب کا مسلک بیان فرمایا ہے ، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام کے نزدیک صحابہ کے اقوال و آثار کی بڑی اہمیت تھی وہ کتاب و سنت کے بعد انہی کو پکڑتے تھے ، اور مسائل میں انہی کو معیار حق سمجھتے تھے ۔ ان سے خروج کو جائز نہیں سمجھتے تھے ۔

امام صاحب کے مسلک پر روشنی ڈالنے والی اس سے بھی زیادہ واضح عبارت یہ ہے جو ابن حجر مکی شافعی نے امام صاحب کے حوالے سے نقل کیا ہے ۔

نقد جاء عن ابی حنیفۃ من طرق کثیرۃ ما ملخصہ انہ یاخذ اولاً بما فی القرآن فان لم یجد فبالسنۃ فان لم یجد فبقول الصحابۃ فان اختلفوا اخذ بما کان اقرب الی القرآن والسنۃ من اقوالہم ولم یخرج عنہم ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وقال ابن المبارک روایۃ عن الامام اذا جاء الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فعلی الرأس والعین واذا جاء عن الصحابۃ اخترنا ولم نخرج عن اقوالہم ؎ ۔

امام ابوحنیفہ کی روایت متعدد طرق سے منقول ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ اولاً قرآن سے استدلال کرتے تھے ۔ پھر اگر قرآن میں وہ مسئلہ نہیں پاتے تو سنتِ نبوی سے استدلال کرتے تھے ۔ اگر یہاں بھی نہیں ملتا تو صحابہ کے اقوال سے استدلال کرتے تھے ۔ پھر اگر ان کے درمیان اختلاف ہوتا تو جو قول قرآن اور سنت کے قریب تر معلوم ہوتا اس کو لے لیتے ، اور ان کے اقوال سے علیحدہ کوئی نئی رائے پسند نہیں کرتے تھے ۔ اور حضرت ابن مبارک نے امام سے یہ روایت کی ہے کہ امام نے فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث آگئی تو بسر و چشم قبول ہے اور جب صحابہ سے کوئی قول منقول ہو تو اسے بھی ہم اختیار کریں گے ۔ اور ان کے اقوال سے باہر نہیں ہوں گے

؎ حاشیہ کوکب صفحہ ۲۹۱ جلد ۱ بحوالہ امداد الباری صفحہ ۳۵ جلد ۱ ۱۲

امام صاحب کے مسلک کو غور سے دیکھئے کہ کس شدت کے ساتھ وہ صحابہ کو حجت اور معیار حق تسلیم کرتے ہیں۔ اور ان کی رایوں سے الگ ہو کر کوئی نئی رائے قائم کرنے کو جائز نہیں سمجھتے، معیار حق کا یہی وہ مطلب ہے جسے ہم دکھانا چاہتے ہیں۔

۲۔ مالکیہ :-

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے پیروکاروں پر بھی خدا ہزاروں رحمتیں نازل فرمائے، بڑا واضح اصول قائم فرمایا۔ ان بزرگوں کے نزدیک بھی بغیر کسی قید کے قول صحابی حجت ہے۔ آپ موطا مالک کے صفحات دیکھئے، کوئی باب ایسا نہ ملے گا جس میں بطور استدلال امام مالک نے آثار صحابہ کو پیش نہ کیا ہو ___ مزید ثبوت اور تفصیل کے لئے ایک بڑے مالکی امام حضرت امام شاطبی کی کتاب " الموافقات " دیکھی جا سکتی ہے۔ امام شاطبی نے اس کتاب کے بحث السنہ میں بڑے واضح اسلوب میں اقوال صحابہ کی حجیت کو مدلل کیا ہے۔ بنیادی طور پر انہوں نے اپنے موقف کے استدلال کے لئے چار دلیلیں دی ہیں، ہم ان کی بعض عبارات نقل کرتے ہیں۔

۱۔ پہلی دلیل :-

سنة الصحابة يعمل عليها ويرجع اليها ومن الدلائل على ذالك امور۔ احدها ثناء الله عليهم ومدحهم بالعدالة كقوله تعالى كنتم خير امة اخرجت للناس وقوله۔ وكذالك جعلناكم امة وسطا

لتکونوا شھداء علی الناس.... فعلی الاولیٰ اثبات الافضلیۃ علی سائر الامم -

وفی الثانیۃ اثبات العدالۃ مطلقا وذلک یدل علی ما دلت علیہ الاولیٰ - (الموافقات ص۴۷ جلد۴)

صحابہ کی سنت پر عمل کیا جائے گا اور اختلافات کے وقت اس کی طرف رجوع کیا جائے گا، اس کی بہت سی دلیلیں ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ اللہ نے صحابہ کی تعریف کی، اور ان کو عادل اور معتمد قرار دیا مثلاً اللہ نے کہا کنتم خیر امۃ الخ کہ تم سب سے بہتر امت ہو جو لوگوں کی طرف بھیجے گئے ہو، اسی طرح ایک جگہ فرمایا۔ وکذلک جعلناکم الخ کہ ہم نے تمہیں درمیانی اور معتدل امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بن جاؤ، تو پہلی آیت میں تمام امتوں پر افضیلت وبرتری کا بیان ہے۔ اور دوسری آیت میں مطلق عدالت کو ان کے لئے ثابت کیا گیا ہے - اور یہی چیز پہلی آیت سے بھی سمجھ میں آتی ہے -

۲ - دوسری دلیل :-

والثانی ما جاء فی الحدیث من الامر باتباعھم وان سنتھم فی طلب الاتباع کسنۃ النبی ﷺ قال علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ الخ - (موافقات ص۴۶ جلد۴)

دوسری دلیل وہ احادیث ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پیروی کا حکم دیا ہے - اور ان کے طرزِ عمل

کو وجوب اتباع میں اپنے طرز عمل کے مشابہ قرار دیا گیا ہے، مثلاً فرمایا کہ تم پر میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت لازم ہے۔ ان کو پکڑ لو اور جم جاؤ۔

اور بھی متعدد احادیث امام شاطبی نے اس دوسری دلیل کے ذیل میں پیش کی ہیں، جن کو ہم نے ترک کر دیا ہے۔

۳۔ تیسری دلیل :۔

والثالث ان جمهور العلماء قدموا الصحابة عند ترجیح الاقاویل فقد جعل طائفة قول ابی بکر وعمر حجة ودلیلا وبعضهم عد قول الخلفاء الاربعة دلیلا وبعضهم یعد قول الصحابة علی الاطلاق حجة ودلیلا۔۔۔ وما ذلك الا لما اعتقدوا فی انفسهم وفی مخالفیهم من تعظیمهم وقوة ماخذهم دون غیرهم وکبر شانهم فی الشریعة وانهم مما یجب متابعتهم وتقلیدهم۔ (کتاب مذکور ص جلد ۴)

تیسری دلیل یہ ہے کہ جمہور علماء نے اقوال کو ترجیح دیتے وقت صحابہ کو مقدم رکھا ہے پھر ایک جماعت نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے قول کو حجت اور دلیل قرار دیا بعض لوگوں نے چاروں خلفاء کے قول کو حجت اور دلیل قرار دیا۔ اور بعض لوگ تمام صحابہ کے اقوال کو حجت و دلیل سمجھتے ہیں یہ سب اس عقیدت ومحبت کی نشانی ہے، جو علماء کے قلوب میں صحابہ کے لئے ہے۔ ان کے پیش نظر یہ ہے کہ دوسرے لوگ صحابہ کے مقابلے میں قوت

استدلال اور شخصی و دینی عظمت دونوں اعتبار سے کثیر ہیں اور ان صحابہ کی پیروی و تقلید واجب ہے۔

اس دلیل سے واضح ہوتا ہے کہ جمہور علماء کے نزدیک صحابہ کی پیروی اور اتباع ضروری ہے اور وہ ایسے معیار حق ہیں، جن کی پیروی سے چارہ کار نہیں۔

۴۔ چوتھی دلیل :-

الرابع ما جاء فی الاحادیث من ایجاب محبتہم وذم من ابغضہم وان من احبہم فقد احب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومن ابغضہم فقد ابغض النبی وما ذالک الا لشدۃ متابعتہم لہ والعمل بسنۃ مع حمایتہ ونصرتہ ومن کان بہذہ المثابۃ فہو حقیق بان یتخذ قدوۃ ویجعل سیرتہ قبلۃ۔ (موافقات ص ۷ جلد ۴)

چوتھی دلیل یہ ہے کہ احادیث میں صحابہ کی محبت کو امت کے لئے واجب قرار دیا گیا ہے اور جو ان سے بغض رکھے ان کی مذمت کی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ جس نے صحابہ سے محبت کی اس نے درحقیقت رسول اللہ سے محبت کی اور جس نے صحابہ سے بغض رکھا اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض رکھا ۔۔۔۔ یہ تمام تاکیدات صرف اس وجہ سے کی گئی ہیں کہ معلوم ہوسکے کہ صحابہ کی پیروی ضروری ہے اور ان کی حمایت و نصرت واجب ہے، اور جس قوم کی یہ شان ہو وہ اس لائق ہے کہ اس کو اپنا قائد اور رہنما بنایا جائے اور اس کی سیرت و کردار کو اپنے لئے قبلہ توجہ بنایا جائے۔

امام شاطبی کے ان اقتباسات کے نقل کرنے کا مقصد دلائل کے

انبار لگانا نہیں ہے۔ دلائل تو آئندہ صفحات میں نہایت وضاحت کے ساتھ آرہے ہیں، یہاں ان اقتباسات سے مالکیہ کے مسلک پر روشنی ڈالنی ہے کہ وہ مالک کتنی سختی کے ساتھ اقوالِ صحابہ کو معیارِ حق مانتے ہیں۔ اور ان کی پیروی کو ضروری سمجھتے ہیں۔ ان عبارات کے تسلسل سے اندازہ ہوتا ہے کہ مالکیہ کو اس باب میں ذرا بھی تذبذب نہیں ہے، اور وہ بلا تامل صحابہ کرام کی مقدس جماعت کو اپنے لئے قائد و رہنما بنانے کو آمادہ ہیں۔ اور اسی کو اپنا سرمایہ زیست تصور کر رہے ہیں۔

۳۔ حنابلہ :-

حضرت امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایتیں منقول ہیں، ایک میں اقوالِ صحابہ کی عمومی حجیت اور قابلِ استدلال ہونے کی بات ہے، اور دوسرے میں یہ عموم باقی نہیں ہے، حضرت امام احمد سے یہ روایت کا اختلاف کوئی مستبعد نہیں، کوئی مسئلہ شاید ہی ایسا مل سکے جس میں امام احمد سے مختلف اقوال منقول نہ ہوں۔ صحابہ کے معیارِ حق ہونے کا مسئلہ جب آیا تو یہاں بھی ان سے دو قول نقل کئے گئے۔ اس اختلاف کے وقت وہی روایت قابلِ قبول ہوگی جس کو امام کے متبعین نے اختیار کیا ہو چنانچہ عام حنابلہ نے امام احمد کے اس قول کو ترجیح دی ہے جو حنفیہ اور مالکیہ کے موافق ہے، حضرت علامہ ابن قیم اور علامہ ابن تیمیہ یہ دونوں بلاشبہ مذہب حنبلی میں ستون کی حیثیت رکھتے ہیں، ان دونوں نے صاف طور پر حضرت امام احمد

ابن حنبل نے اس قول کو ترجیح دی ہے کہ صحابہ کرام کے اقوال مطلقاً حجت اور قابلِ استدلال ہیں۔

علامہ ابن قیم جوزی نے اعلام الموقعین میں اس موضوع پر بڑی لمبی اور فیصلہ کن بحث کی ہے، اور بہت سے اکابر صحابہ و تابعین اور تبع تابعین کے اقوال سے یہ ثابت کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے کہ حضرات صحابہ کرام معیارِ حق ہیں، اور ان کے اقوال و افعال امت کے لئے حجت ہیں، پوری تفصیل کے لئے تو اصل کتاب کی طرف ہی مراجعت مناسب ہے۔ یہاں ہم بعض اقوال نقل کرتے ہیں ـــــ ابن قیم حضرت امام اعمش کا قول نقل کرتے ہیں۔

وقال الاعمش عن ابراهیم انه کان لا یعدل بقول عمر وعبد الله اذا اجتمعا فاذا اختلفا کان قول عبد الله اعجب الیه لانه کان الطف۔ (اعلام الموقعین صـ جلد ۱)

حضرت اعمش نے حضرت ابراہیم کے حوالے سے کہا کہ وہ حضرت عمرؓ اور حضرت عبد اللہؓ کے قول سے تجاوز نہیں کرتے تھے، جب یہ دونوں کسی مسئلہ پر متفق ہوجاتے اور ان کے دونوں کے درمیان اختلاف کے وقت ان کو حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ کا قول زیادہ پسندیدہ تھا، اس لئے کہ وہ نسبۃً زیادہ نرم مزاج تھے۔

ایک جگہ حضرت طاؤس کے حوالے سے ستر صحابہ کا معمول نقل کرتے ہیں۔

قال طاؤس ادرکت سبعین من اصحاب محمد صلی اللہ

علیہ وسلم اذا استدار فی الشی انتہوا الی قول ابن عباس رض۔
(حوالہ مذکور)

حضرت طاؤس فرماتے ہیں کہ میں نے ستر صحابہ کرام کو دیکھا کہ جب ان کا کسی چیز میں اختلاف ہوتا تو وہ حضرت ابن عباسؓ کے قول کو فیصل مانتے تھے۔

ان دونوں بزرگوں کے قول سے سمجھا جا سکتا ہے کہ صحابہ کرام کی شخصی اور مذہبی عظمت تابعین اور خود اصاغر صحابہ کے دلوں میں کیسی تھی، اور یہ حضرات صحابہ کرام کے اقوال کو کیسا معیار سمجھتے تھے کہ تمام جھگڑے ان کے آنے کے بعد ختم ہو جاتے تھے۔

ان تمہیدات کے بعد حضرت ابن قیم، امام احمد ابن حنبل کا ایک اصول بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

الاصل الثانی من اصل فتاوی الامام احمد ما افتی بہ الصحابۃ فانہ اذا وجد لبعضہم فتوی لایعرف لہ مخالف منہم فیہا لم یعدہا الی غیرہا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ واذا وجد الامام احمد ھذا النوع من الصحابۃ لم یقدم علیہ عملا ولا رایا ولا قیاسا (اعلام الموقعین صلہ جلد ۱)

امام احمد کے فتویٰ کا دوسرا اصول یہ ہے کہ صحابہ کے وہ فتاویٰ جن میں کسی صحابی کا اختلاف نہیں ہے، ان سے بالکل وہ صرف نظر نہیں کرتے تھے ۔۔۔۔۔۔ اور جب حضرت امام احمد کو صحابہ کی طرف سے اس قسم کے فتاویٰ مل جاتے تھے تو ان پر نہ کسی کے عمل کو ترجیح دیتے تھے اور نہ کسی رائے

اور قیاس کو۔

یہ ہے حنابلہ کے نزدیک صحابہ کی عظمت کا تخیل، کہ صحابہ کے فتاوی اور اجتہادات کے آگے وہ تمام عمل، رائے اور قیاس سب کو غیر معتبر سمجھتے تھے۔ اس سے بھی زیادہ واضح تصور حضرت امام احمد کے تیسرے اصول میں ملتا ہے۔

الاصل الثالث من اصوله اذا اختلف الصحابة تخیّر من اقوالهم ما کان اقربها الی الکتاب والسنة ولم یخرج من اقوالهم۔ (حوالہ مذکور)

حضرت امام احمد کا تیسرا اصول یہ ہے کہ جب کسی مسئلہ میں صحابہ کا اختلاف ہوتا تھا تو انہی کے اقوال میں سے کسی قول کو چن لیتے تھے، جو ان کو کتاب و سنت سے زیادہ قریب معلوم ہوتا تھا، اور ان کے اقوال سے خروج نہیں کرتے تھے۔

یہ بالکل وہی تصور ہے، جو معیار حق کے مفہوم میں ہم بیان کر آئے ہیں کہ صحابہ کے اقوال سے خروج نہیں کیا جا سکتا، اگر صحابہ کا اختلاف ہے، تو انہی کے مختلف اقوال میں سے کسی قول کو اپنی صواب دید کے مطابق اختیار کرنا لازم ہوگا، ــــ صرف یہ پیش نظر رہنا چاہیئے کہ جس قول کو بھی آپ اختیار کر رہے ہیں اس کے لئے وجہ ترجیح کیا ہے؟ کتاب و سنت کا قرب جدھر آپ کو زیادہ محسوس ہو اس کو آپ قبول کر لیجئے ــــــ یہ اس لئے یہاں بیان کر دینا پڑا کہ یہ غلط فہمی پیدا نہ ہو کہ جب کتاب و سنت ہی پر جانچنا ہے تو گویا اصل معیار کتاب و سنت ہے، نہ کہ صحابہ کے اقوال، اسلئے

ذہن کو صاف کر لینا چاہیے کہ کتاب وسنت سے قرب اور موافقت کی بات یہاں یا اس طرح کے دوسرے مواقع میں جو کی گئی ہے ، اس کا مقصود ہرگز یہ نہیں ہے کہ ان بزرگوں کی نگاہوں میں صحابہ کرام کے اقوال کا کوئی مقام نہیں ہے ، بلکہ مقصود صرف یہ ہے کہ ترجیح کے لئے نگاہ کتاب وسنت کی طرف ہونی چاہیئے ، ایسا نہ ہو کہ جو اپنی خواہش سے میل کھاتا ہو، اس کو پسند کر لیا جائے ، اس اختیار میں خواہش نفس کو دخل دینا ، صداقت واتقاء کے لئے شدید مضر ہے ، جو ایک مسلمان کے شایانِ شان نہیں کسی بھی قول کو ترجیح دینے کی بنیاد خواہش اور طبعی میلان نہ ہو ، بلکہ کتاب وسنت کے مزاج کی موافقت ہو ، جس کو جو قول کتاب وسنت سے زیادہ قریب محسوس ہو وہ اپنی صواب دید کا مکلف ہے ، اور اگر از خود کتاب وسنت میں غور کرنے کی لیاقت نہیں ہے ، تو قابلِ اعتماد علماء کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے ۔

حضرت امام احمد کے ان واضح اصول کے بعد مزید ضرورت نہیں رہ جاتی کہ کسی اور حنبلی عالم کا نقطۂ نظر معلوم کیا جائے ، لیکن یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ حنابلہ اسپر کس شدت اور پختگی کے ساتھ قائم ہیں علامہ ابن تیمیہ کا قول اس سلسلے میں بہت ہی مستند ہے ۔

علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں :۔

والذی لاریب فیہ انہ حجۃ ما کان من سنۃ الخلفاء الراشدین الذی سنوہ للمسلمین ولم ینقل ان احدا من الصحابۃ خالفھم فیہ ھذا لاریب انہ حجۃ بل اجماع و قد دل علیہ قول النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم علیکم بسنتی وسنۃ

الخلفاء الراشدین ۔ (القیاس فی الشرع الاسلامی ص۳۱)

اور وہ چیز جس میں کوئی شک نہیں یہ ہے کہ خلفاء راشدین کی وہ سنتیں جو انہوں نے مسلمانوں کے لئے جاری کیں وہ یقیناً حجت اور قابل استدلال ہیں کسی بھی صحابی کا اس باب میں اختلاف منقول نہیں ہے اس کے حجت ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے بلکہ اسپر اجماع ہے اور یہ مسلک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے ماخوذ ہے، جو آپ نے فرمایا کہ تم پر میری سنت اور خلفاء راشدین کی سنت کی پیروی لازم ہے ۔

علامہ ابن تیمیہ نے وضاحت کے ساتھ فرمادیا کہ خلفاء راشدین کی سنتوں کی پیروی ضروری ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں کسی صحابی کا اس باب میں کوئی اختلاف نہیں ۔ گویا اسپر اجماع ہو گیا ہے ۔

۴۔ شافعیہ :-

سب سے آخر میں حضرت امام شافعی کے مسلک کو بیان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ امام شافعی کی طرف دو قسم کے قول منسوب ہیں، قول قدیم میں وہ سابقہ تین مذاہب کی طرح قول صحابی کی حجیت کے قائل ہیں ۔ مگر کہا جاتا ہے کہ قول جدید میں وہ اس حجیت کے منکر ہو گئے تھے ۔ ۔۔۔ اگرچہ علامہ ابن قیم نے امام شافعی کی طرف اس قول جدید کی نسبت کا انکار کیا ہے ، مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ بعض اکابر شافعیہ نے اس قول جدید کو بڑی اہمیت

دی ہے، مثلاً امام غزالی، علامہ آمدی اور علامہ ابن حاجب وغیرہ ان بزرگوں نے قول جدید کو ترجیح دی ہے، ــــــ معتزلہ اور شیعہ کا بھی یہی مسلک ہے مگر بہت سے شافعیہ نے امام شافعی کے قول قدیم کو ترجیح دی ہے، امام شافعی کی اصل بنیادی کتابوں میں ان کا قول قدیم ہی ملتا ہے۔

حضرت امام شافعی اپنی گراں قدر تصنیف الرسالہ کے باب الجد میں، دادا کے سلسلے میں صحابہ کا اختلاف نقل کرنے اور اس پر کچھ بحث وتمہید کے بعد فرماتے ہیں۔

فلم یکن لی خلافہم ولا الذہاب الی القیاس والقیاس مخرج من جمیع اقاویلہم ارأیت اقاویل اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا تفرقوا فیہا فقلت نصیر منہا الی ما وافق الکتاب او السنۃ او الاجماع او کان اصح فی القیاس ــ ــ ــ ــ ــ ــ قلت لہ ما وجدنا فی ہذا کتابا ولا سنۃ ثابتۃ ولقد وجدنا اہل العلم یاخذون بقول واحدہم مرۃ ویترکونہ اخری ویتفرقون فی بعض ما اخذوا بہ منہ (قال) فالی ای شئی صرت من ہذا (قلت) الی اتباع قول واحدہم اذا لم اجد کتابا ولا سنۃ ولا اجماعا ولا شیئا فی معناہ یحکم لہ بحکمہ او وجد معہ قیاس وقل ما یوجد من قول الواحد منہم لا یخالفہ غیرہ من ہذا (الرسالہ باب الاختلاف فی الجد ص ۸۲ مطبوعہ مصر)

پس میرے لئے ان کی مخالفت اور کسی قیاس کو اختیار کرنے

گنجائش نہیں ہے، اس لئے کہ قیاس ان کے تمام اقوال سے مجھے نکال دیگا۔۔۔۔۔۔ آپ کی صحابہ کے اقوال کے بارے میں کیا رائے ہے، جب ان کا کسی مسئلہ میں اختلاف ہو جائے تو میں نے کہا کہ جو قول کتاب سنت یا اجماع یا صحیح ترین قیاس کے زیادہ موافق معلوم ہوگا، اس کو ہم اختیار کر لیں گے۔۔۔ میں نے کہا کہ اس سلسلے میں ہم نے کتاب سنت سے کوئی رہنمائی نہیں پائی۔ البتہ اہل علم کو دیکھا کہ وہ ان صحابہ میں سے کبھی کسی ایک کے قول کو پکڑ لیتے ہیں، اور کبھی اسے ترک کر دیتے ہیں، اور وہ اس اخذ و استدلال کے باب میں مختلف نقطۂ نظر رکھتے ہیں۔ اس نے کہا کہ آپ کا میلان اس باب میں کس طرف ہے؟ میں نے کہا کہ جب مجھے کتاب سنت اور اجماع سے کوئی رہنمائی نہیں ملی اور نہ کوئی ایسی چیز ملی جو اس کے لئے فیصلہ کن ہو، اور نہ قیاس ملا، تو انہی صحابہ میں سے کسی ایک کے قول کو اختیار کر لینا چاہیئے (یعنی ان سے خروج نہیں کرنا چاہیئے) اور ایسے مسائل بہت کم ہیں جن میں کوئی دوسرے کا مخالف نہ ہو یعنی تمام صحابہ اس پر متفق ہو گئے ہوں۔

حضرت امام شافعی کی اس پوری گفتگو سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ صحابہ کے مختلف اقوال سے خروج کو جائز نہیں سمجھتے تھے بلکہ انہی اقوال میں سے کسی قول کے اختیار کرنے کو ضروری سمجھتے تھے۔

بعض بزرگوں نے حضرت امام شافعی کے قول قدیم اور جدید کے درمیان تطبیق پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور ان دونوں

کو قریب کرنا چاہا ہے۔ اگر یہ تطبیق مقبول ہو، اور دونوں قول کے درمیان کوئی تضاد نہ ہو، تب تو کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں، لیکن اس تطبیق کو اگر قبولیت نہ دی جائے تو بھی کچھ حرج نہیں حضرت امام شافعی کے قول جدید کے علاوہ بقیہ چاروں مذاہب کا اتفاق ثابت کیا جاچکا ہے کہ صحابہ کرام معیار حق ہیں، اور ان کے اقوال قابل استدلال ہیں۔

رہا قول جدید تو اس کی وجہ سے کچھ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، تاریخ ہماری اس سلسلے میں بہت حد تک رہنمائی کرتی ہے، ہم جب دوسری صدی کے اواخر کی صورت حال پر نگاہ دوڑاتے ہیں۔ تو کچھ ایسی بنیادیں ملتی ہیں، جن کے مجموعی اثر نے امام شافعی کو اس تشدد پر ابھارا تھا۔ اگرچہ بالتصریح۔ تاریخ ان بنیادوں کی ہمیں خبر نہیں دیتی لیکن پوری صورت حال کا گہرا مطالعہ، ایک بصیرت مند تاریخ بین کو اس نتیجہ پر پہونچاتا ہے کہ صحابہ کرام کی شخصی عظمتوں کے پیش نظر دوسری صدی کے اوائل میں ان صحابہ کے حوالے سے کوئی بھی بات قبول کرلی جاتی تھی، اس اعتماد پر کہ صحابہ سے روایت کرنے والا آدمی صادق اور دیانت دار ہوگا، لیکن اس اعتماد کے غلط اثرات دوسری صدی کے دوسرے حصے میں رونما ہوئے صحابہ کی بات ہر مسئلہ میں بغیر کسی سند کے نقل کی جاتی تھی اور کوئی بھی مسئلہ جب پیش آتا تھا تو فوراً کوئی شخص کسی صحابی کا اثر پیش کردیتا تھا۔ اگر اس سیلاب پر بند نہ باندھا جاتا تو پھر صحابہ کے فرمودات ملفوظات، اور احادیث رسول میں وہ امتیاز ملحوظ نہیں رہ سکتا تھا۔ جس کی ضرورت تھی، اب تک جمع احادیث کی خدمات

مکمل نہ ہو سکی تھیں، زیادہ ضرورت احادیث کی طرف توجہ کی تھی۔ غالباً یہی سب وجوہ تھے جن کی بناء پر حضرت امام شافعی نے نہایت تشدد آمیز تعبیر اختیار کی ھم رجال ونحن رجال، مقصد اس جملے سے (معاذ اللہ) صحابہ کی توہین نہیں تھی، بلکہ اس مرض کا علاج کرنا تھا، جس کی وہ تشخیص کر چکے تھے۔

وجہ خواہ کچھ بھی ہو، امام شافعی نے اپنی اخیر زندگی میں قول جدید کو اختیار کیا تھا، اگر اس کو ناشائستہ حالات کا قدرتی اثر قرار دیا جائے، تب تو کوئی بات نہیں، اور اگر یہ تسلیم نہ بھی کیا جائے، تو تین مذاہب اور خود امام شافعی کے قول قدیم کے مقابلے میں، یہ قول جدید کوئی خاص وزن نہیں رکھتا۔

غلط فہمی کی بنیادیں

مذاہب کے اس مختصر تجزیے سے اندازہ ہوا ہوگا کہ صحابہ کرام کی پوزیشن، ائمۂ مذاہب کے نزدیک کیا ہے سب کی متفقہ صدا یہ ہے کہ صحابہ معیار حق ہیں، یعنی حقانیت انہی کے اقوال میں دائر ہے۔ ان کے اقوال سے خروج جائز نہیں ہے۔

یہ صحابہ کے بارے میں نہایت معتدل تصور ہے، اور کوئی بھی ایسا شخص جس کے پہلو میں دھڑکتا ہوا دل ہوگا، اور اس کے دل میں ایمانی سوز، رسولِ خدا اور آپ کے ساتھیوں کے ساتھ محبت کی تپش ہوگی، وہ صحابہ کرام کے بارے میں اس

تصور کو مان لینے میں کسی تذبذب سے کام نہیں لے سکتا۔
قبل اس کے ہم معیار حق پر دلائل کی تفصیل پیش کریں یہ مناسب سمجھتے ہیں کہ ان بنیادوں کی تعیین کرتے چلیں، جہاں سے صحابہ کرام کے بارے میں بے باکانہ تصور پیدا ہوتا ہے، اور ان کی وہی حیثیت معلوم ہونے لگتی ہے، جو اولیاء اللہ اور بزرگوں کی ہے۔

۱۔ معیارِ حق کے لئے عصمت کی شرط

سب سے پہلے غلطی یہ ہوئی کہ ان لوگوں نے سمجھا کہ ایسا شخص جس کے موافق حق اور جس کے خلاف باطل ہو، یہ صرف وہی ہو سکتا ہے جس کے بارے میں کسی غلط بات کا تصور بھی ناممکن ہو، اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ وہ معصوم ہو، گویا معیار حق کا لفظ سنتے ہی ان کے ذہنوں میں عصمت کا تخیل کھیلنے لگتا ہے، اور اس تخیل کے بعد پھر کیا گنجائش رہ جاتی ہے کہ صحابہ کرام کی جماعت باوجود ساری داستانِ تقدس کے اس منصب پر فائز ہو سکے۔
لیکن وہ تصور جو ائمہ مذاہب اور اکابر اسلاف کے مکاتب فکر اور عبارات کی روشنی میں ہم اوپر بیان کر آئے ہیں، اس اعتبار سے عصمت کی شرط غیر ضروری رہ جاتی ہے اس لئے کہ جب ہم نے یہ کہا کہ حق انہی کے اقوال میں دائر ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ نفس الامر میں صحیح کوئی ایک ہی ہے، اور دوسرا غلط ہے۔ مگر بظاہر کسی کو بھی غلط نہیں قرار دیا

جا سکتا، اس لئے یہ سمجھا جائے گا کہ سب حق پر ہیں، اور ان میں سے جن کے قول کو بھی اختیار کیا جائے، ہدایت و حقانیت مل جائے گی البتہ صحابہ کے اقوال سے نکل کر کوئی نیا قول پیدا کرنا غلط ہوگا۔ تو اصل میں دائر رہنا ہی جماعت صحابہ کے معیار حق ہونے کا مطلب ہے اور اس طرح کا تصور کسی غیر معصوم ہی کے بارے میں کیا جا سکتا ہے کسی معصوم کے بارے میں اس قسم کا خیال ناممکن ہے ــــ یوں تو آئندہ کے دلائل سے جگہ بجگہ خود ثابت ہوگا کہ معیار حق کا جو مطلب ہم نے بیان کیا ہے اس کے لئے عصمت ضروری نہیں۔ پھر بھی ہم یہاں صرف ایک روایت استدلال کے طور پر پیش کرتے ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

اصحابی کالنجوم فبایّھم اقتدیتم اھتدیتم[1]

کہ میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں اس لئے تم ان میں سے جس کی بھی پیروی کروگے ہدایت یاب ہوگے۔

بایّھم کا لفظ بتاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں صحابہ کے درمیان ہونے والا اختلاف آ چکا تھا۔ اس لئے فرمایا کہ صحابہ کے درمیان ہونے والے اختلافات سے بدگمان نہ ہونا ان کا اختلاف تمہارے لئے وسعتوں کی راہیں کھولے گا۔ تمہارے فکر و اجتہاد کو جھنجھوڑے گا۔ اور تمام مسائل حیات میں شرح صدر کے ساتھ تمہیں سوچنے کے مواقع دے گا۔ ان میں کسی کی طرف سے بدگمان نہ ہونا۔

اگر صحابہ کرام کی مقدس جماعت معصوم ہوتی تو ان کے

[1] مشکوٰۃ شریف مطبوعہ ... [illegible]

درمیان اختلافات کی آگ کیوں بھڑکتی ؟ اور حضورؐ کو تسلی دینے کی کیوں حاجت پیش آئی ؟ کہ تم ان سے بدگمان نہ ہونا۔ ان میں سے ہر ایک ستارہ ہے ہر ستارہ کا اپنا الگ نور ہے، ہر ستارہ کا محور مختلف ہے۔ ہر ایک کی گردشِ حیات کا طرز و انداز جداگانہ ہے۔ جس طرح ستاروں میں باوجود اختلافِ محور کے ان کا نور مسلوب نہیں ہوا، ان کا نور ان کے ساتھ ہے، اسی طرح صحابہ کرام باوجود طرزِ زندگی کے اختلاف، اور آپس تنافر کے ان کا نور ان کے ساتھ ہے، اور وہ اسی طرح آسمانِ ہدایت پر جگمگا رہے ہیں، جس طرح کہ رات کی اندھیریوں میں آسمان کے جگہ میں ستارے جگمگاتے ہیں۔ ہر ستارہ کے الگ فوائد و خصوصیات ہیں ہر ایک کا حیات انسانی پر اتنا ہی اثر پڑتا ہے۔ جتنا دوسرے کا ہے، تمام صحابہ برحق ہیں، ان میں سے ہر ایک کے پاس نورِ ہدایت ہے۔ کسی کے پیچھے چل پڑو گے، تم اجالا پاؤ گے، اس روایت سے ایک تو اختلاف سے پیدا ہونے والی بدگمانی کو دور کیا گیا۔ دوسری طرف صحابہ کرام کا معیارِ حق ہونا بھی واضح کر دیا گیا ——— مزید ثبوت اختلافاتِ صحابہ کے ذیل میں آنے والی روایات فراہم کریں گی۔

صحابہ محفوظ تھے :-

اس بحث کے ذیل میں یہ بتاتے چلیں کہ اہلسنت والجماعت کا عقیدہ صحابہ کے بارے میں اگرچہ معصوم ہونے کا نہیں

حاشیہ ص گزشتہ ہ۔ ۵ جمع الفوائد ص۲۲۲ بحوالہ حیاۃ الصحابہ ص۲۴ و مشکوٰۃ شریف ص۵۵۴ ۱۲

ہے تاہم محفوظ ضرور قرار دیتے ہیں، یعنی صحابہ کی طبعی افتاد، قلبی کیفیت اور خارجی واندرونی وسائل اس طرح کے تو نہیں رکھے گئے جس طرح کا انتظام انبیاء کے لئے کیا گیا، مگر اتنی بات ضرور ہے کہ متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کی جماعت خدا کی منتخب جماعت ہے جس طرح اس نے ختم نبوت کے لئے ایک بےمثال انسان کا انتخاب کیا اسی طرح اس نے اپنے خاتم النبیین پیغمبر کی مصاحبت اور شرکت کار کے لئے بھی ایک مخصوص جماعت کا انتخاب کیا، جو فطری طور پر اگرچہ معصوم نہ ہو، لیکن ان کی حفاظت ضرور کی گئی، اولاً گناہ سے ان کو بچایا گیا، اور اگر کبھی غفلت میں کوئی لغزش ہوگئی تو فوراً غیبی انتظامات کے تحت وہ تائب ہوگئے، اور صحیح راہ کی طرف پلٹ آئے۔ —— دیکھئے ایک روایت کے اندر کتنی صراحت کے ساتھ صحابہ کا منتخبہ جماعت ہونا بتایا گیا ہے۔

مسند بزاز میں حضرت جابر رض کی روایت صحیح سند کے ساتھ ذکر کی گئی ہے۔

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ اختار اصحابی علی الثقلین سوی النبیین والمرسلین [1]۔

حضرت جابر رض فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے میرے صحابہ کو سوائے نبیوں اور رسولوں کے تمام جنات و انسان پر فضیلت دی ہے۔

تمام جنات و انسان پر فضیلت کا نتیجہ تھا کہ ادنیٰ سے

---

[1] الاصابۃ ص۱۲ جلد ۱ ۱۲

ادنیٰ گناہ سے بھی ان کی حفاظت کی گئی، اور خود ان کی قلبی کیفیت اور طبعی رجحان اس طرح کا بنا دیا گیا کہ وہ برائیوں سے قریب نہیں ہوتے تھے، اور اگر بشریت کی وجہ سے کسی برائی کا صدور ہو بھی گیا تو فوراً اس سے توبہ کر لیتے تھے، اور اس مکتب فکر کی طرف پلٹ آتے تھے جو خدا کو مطلوب ہے، یہ دوسروں کے بارے میں بھی ممکن ہے، مگر کوئی یقینی نہیں ہے، — جبکہ صحابہ کے بارے میں قرآنی خبر ہے — قرآن ایک جگہ صحابہ کو مخاطب کر کے کہتا ہے۔

لکن اللہ حبب الیکم الایمان وزینہ فی قلوبکم وکرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان اولئک ھم الراشدون ۵۔

لیکن اللہ نے تمہارے لئے ایمان کو محبوب بنا دیا اور اس کو تمہارے دلوں میں آراستہ کر دیا اور تمہارے لئے کفر، فسق اور عصیان کو ناپسندیدہ بنا دیا، یہی لوگ کامیاب ہیں۔

امام رازی اس آیت کی تفسیر اس طرح کرتے ہیں۔

کرہ الیکم وھو الامر الاعظم کما قال تعالیٰ ان الشرک لظلم عظیم ثم قال تعالیٰ والفسوق ما یظھر لسانکم ایضاً ثم قال والعصیان وھو دون الکل ولم یترک علیہ الامر الادنیٰ وھو العصیان ۔۔۔۔۔۔ وقال

بعض الناس الکفر ظاهر والفسوق هو الکبیرۃ — والعصیان هو الصغیرۃ [1]۔

تمہارے لئے ناپسند بنایا اور وہ بہت بڑی چیز ہے جیساکہ اللہ نے فرمایا کہ شرک یقیناً بڑا ظلم ہے۔ پھر اللہ نے کہا والفسوق یعنی وہ برائی جو تمہاری زبان سے ظاہر ہو پھر فرمایا والعصیان۔ اور یہ سب سے کمتر ہے (صحابہ کے لئے) ادنیٰ چیز بھی اللہ نے نہیں چھوڑی اور وہ عصیان ہے۔......... بعض لوگوں نے کہا کہ کفر تو ظاہر ہے اور فسوق سے مراد گناہ کبیرہ ہے اور عصیان سے مراد گناہ صغیرہ ہے۔

یہ صحابہ کی شان بیان کی گئی ہے کہ ان کو ادنیٰ سے ادنیٰ گناہ سے بھی محفوظ رکھا گیا، اور خود ان کی طبیعت میں ان برائیوں کی ناپسندیدگی رکھدی گئی — ایک دوسری آیت میں ان کی شان یہ بتائی گئی کہ اگر وہ کسی گناہ کا ارتکاب بھولے سے کریں تو فوراً وہ توبہ کر لیتے ہیں، اور حدود الٰہی کی حفاظت میں مشغول ہوجاتے ہیں۔ صحابہ کی صفات بیان کرتے ہوئے کہا گیا۔

التائبون العابدون الحامدون السائحون الراکعون الساجدون الآمرون بالمعروف والناہون عن المنکر والحافظون لحدود اللہ۔ (الآیۃ)

توبہ کرنے والے، عبادت گذار، خدا کی تعریف کرنے والے

---

[1] تفسیر کبیر ص۵۵۳ جلد ۷ ۱۲

روزہ دار ۔ رکوع کرنے والے ۔ سجدہ دینے ۔ نیکی کا حکم کرنیوالے اور برائی سے روکنے والے ۔ اور اللہ کے حدود کے محافظ ۔

تفسیر قرطبی میں التائبون کی تفسیر یہ کی گئی ہے ۔

التائبون هم الراجعون عن الحالة المذمومة فی معصیة اللّٰہ الی الحالة المحمودة فی طاعة اللّٰہ ۔ [1]

تائبون یعنی وہ لوٹ جاتے ہیں اللہ کی نافرمانی کی بری حالت سے اللہ کی اطاعت کی اچھی حالت کی طرف ۔

قرآن وحدیث کے یہ سب واضح اشارات رہنمائی کرتے ہیں کہ صحابہ کرام کی حفاظت کا انتظام خود رب کائنات کی طرف سے کیا گیا ہے ، اس کو پردۂ راز میں نہ رکھکر علانیہ بیان کر دینا درحقیقت ہم تشنگانِ ہدایت کے لئے پیغام تسلی ہے کہ تمہاری ہدایت ، صحابہ کی پیروی میں مضمر ہے ان کی طرف سے بے اطمینان نہ ہونا ، ان کے اعمال وکردار کی ہم خود نگرانی کر رہے ہیں ــــــ اور یہی وجہ ہے کہ صحابہ کے اتباع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت تاکید کی ہے ۔ جبکہ ان کے علاوہ کسی اور خاص جماعت کی پیروی کا حکم نہ دیا گیا ۔ یہ سب کچھ اس اطمینان واعتماد کی بنا پر ہے جو خدا اور رسول نے ان صحابہ کے بارے میں مختلف مواقع پر ظاہر کیا ہے ۔

---

[1] قرطبی صفحہ ۲۶۹ جلد ۸ ۔ ۱۲ ۔

۲- صحابہ کرام کے آپسی اختلافات :-

صحابہ کرام کو معیار حق نہ ماننے کی دوسری بنیاد مخالفین کے ذہنوں میں یہ ہے کہ صحابہ کے درمیان شدید اختلافات ہوئے ان اختلافات کے وقت ہر فریق جادۂ حق پر قائم رہے، یہ ناممکن ہے لیکن اس بنیاد کی حیثیت بھی ایک دماغی پرواز سے زیادہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ ابھی اوپر ذکر کیا جاچکا ہے کہ صحابہ کا اختلاف ناگزیر تھا، اگر یہ اختلاف نہ ہوتا تو امت کے لئے بہت سی راہیں نہیں کھل پاتیں، اسی لئے حضور علیہ السلام نے صحابہ کے اختلاف کو امت کے لئے رحمت قرار دیا۔

فرمایا ایک طویل حدیث کا آخری ٹکڑا ہے۔

ان اصحابی بمنزلۃ النجوم فی السماء فایما اخذتم اهتدیتم واختلاف اصحابی لکم رحمۃ الحدیث[1]

بیشک میرے صحابہ آسمان کے ستاروں کے مانند ہیں جن کو بھی تم پکڑلو ہدایت یاب ہوجاؤ گے۔ اور میرے صحابہ کا اختلاف تمہارے لئے رحمت ہے۔

اس روایت سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کا اختلاف شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا، اور اسی لئے ان خطرات کی قبل سے اطلاع دیدی۔ اور زمین ہموار فرمادی تاکہ بعد میں ان کے اختلافات کو بنیاد بنا کر ان کی پوزیشن کے

---

[1] حاشیہ صفحہ ۱۶ پر دیکھئے۔

تعین میں کسی قسم کے نزاع کی نوبت نہ آئے، یہاں تک فرمادیا گیا کہ یہ اختلاف اگرچہ اپنے ظاہری انجام کے اعتبار سے وحشت خیز اور مایوس کن معلوم ہو۔ مگر تم مایوس نہ ہونا۔ اسے اپنے لئے رحمت تصور کرنا، مثال کے طور پر حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان یا حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان شدید جنگیں ہوئیں، جو بظاہر وحشت انگیز ہے، لیکن ان وحشت انگیز اختلافات، اور جنگ وجدال میں امت کے لئے خدا کی بہت سی رحمتیں پوشیدہ تھیں اور کتنے مسائل تھے۔ جو صرف ان دونوں جنگوں سے حل ہوئے، مثلاً اگر جنگ کے دوران کوئی مسلمان، کسی مسلمان کو قتل کر دے تو جائز ہے، اسی طرح مسلمانوں کی باہمی جنگ میں لوٹا ہوا مال مالِ غنیمت نہیں ہے۔ وہ تمام مال مسلمان مالکوں کو واپس کئے جائیں گے، جیسا کہ ان جنگوں میں ہوا، وغیرہ۔ غرض صحابہ کے بھیانک سے بھیانک اختلاف میں بھی امت کے لئے رحمتیں اور وسعتیں پوشیدہ تھیں۔

دوسرے انداز میں اسے یوں بھی سمجھ سکتے ہیں کہ مثلاً مسئلہ

(صفحہ کا حاشیہ) لہ اس روایت میں کچھ کلام بھی کیا گیا ہے۔ مگر اس کو متعدد محدثین نے مختلف طرق سے روایت کیا ہے مثلاً بیہقی نے مدخل میں اور رسالۃ اشعریہ میں، طبرانی نے معجم میں، احمد دیلمی نے اپنی مسند میں اسے نقل کیا ہے، اور علامہ سخاوی نے مقاصد حسنہ میں اس کو نقل کر کے اس کے بعض طرق کو صحیح قرار دیا ہے، غرض ان میں بہت سے طرق صحیح ہیں اس لئے اس روایت میں کلام اتنا زیادہ نہیں ہے کہ روایت ناقابلِ استدلال ہو جائے (دیکھو الامداد الیادی ص۳۳) ۱۲

کے کسی ایک پہلو پر تمام صحابہ کا اتفاق ہو جاتا تو بعد میں آنے والی پوری امت پر اسی ایک پہلو کے مطابق عمل کرنا ضروری ہو جاتا، اور اس طرح دائرہ تنگ سے تنگ تر ہو جاتا۔ خدا کے قدرتی نظام نے مسئلہ کے مختلف پہلو پیدا کئے اور صحابہ کے درمیان تقسیم فرما دیئے۔ بعض صحابہ نے کسی ایک پہلو کو اختیار کیا۔ اور بعض نے دوسرے پہلو کو، کچھ دوسرے صحابہ نے کسی تیسرے پہلو کو پسند کیا۔ اس طرح امت کے لئے ہر مسئلہ میں مختلف راہیں پیدا ہو گئیں۔ اب پوری بھیڑ کا ایک ہی راہ سے گذرنا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ راہیں بہت سی کھلی ہیں۔ جو اپنی بصیرت و معرفت کے لحاظ سے جس راہ کا انتخاب کرے وہی اس کے لئے منزل رسا ہے۔

صحابہ کرام کے اختلافات کی داستان سن کر بہت سی پیشانیوں پر شکن پڑجاتی ہے اور اس صبر آزما تاریخ کا تصور کبھی ان کے چہروں کے رونق کو اداسی میں تبدیل کر دیتا ہے مگر انہیں معلوم نہیں کہ ان سے کہیں زیادہ فکر اس محسنِ انسانیت کو تھی جس کی امت اور جس کے ساتھیوں میں یہ انتشار ہونے والا تھا اور ظاہری طور پر یہ محسوس ہوتا تھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری محنت رائگاں جائے گی۔ یہی وہ فکر اور غم تھا جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوچار ہوئے، اور بالآخر اپنے رب کردگار سے عرض پرداز ہوئے۔ جس کے حکم سے اس کی برگزیدہ جماعت میں یہ سارے اختلافات ہونے والے تھے کہ اے بار الٰہ! تیرا فیصلہ اٹل ہے میرے بعد میرے صحابہ کا اختلاف یقینی ہے۔ کہیں اس کا ردِّ عمل بُرا تو نہیں ہوگا؟ ——

مگر اللہ پاک نے حضور علیہ السلام کو تسلی دی اور اپنے تکوینی راز کو فاش کیا کہ اس اختلاف سے درحقیقت کشادگی اور وسعت کی راہیں کھولنی مقصود ہے۔

اس پورے سوال و جواب کو خود حضور پاک علیہ السلام کی زبان سے سنئے، حضرت عمر ابن الخطابؓ راوی ہیں۔

قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول سئلت ربی عن اختلاف اصحابی من بعدی فاوحیٰ الیّ یا محمد انّ اصحابک عندی بمنزلۃ النجوم فی السماء بعضھا اقویٰ من بعض و لکلٍّ نور فمن اخذ بشیٔ مما ھم علیہ من اختلافھم فھو عندی علیٰ ھدیً [1]۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے اپنے رب سے اپنے بعد صحابہ کے درمیان ہونے والے اختلاف کے بارے میں پوچھا، تو اس نے میری طرف وحی کی کہ اے محمد آپ کے صحابہ میرے نزدیک آسمان کے ستاروں کے قائم مقام ہیں جن میں بعض کی روشنی بعض سے زیادہ ہے اور ہر ایک کے پاس روشنی ہے۔ پس صحابہ کے اختلافی مسائل میں سے کسی بھی پہلو کو جو اختیار کرے گا وہ میرے نزدیک حق پر ہوگا۔

---

[1] مشکوٰۃ شریف ص۵۵۴ وفتح الرحمٰن لشاہ عبد الحق محدث دھلوی ص۱۲

اس روایت نے کیسے واضح انداز میں تمام شکوک و شبہات کا خاتمہ کر دیا کہ صحابہ کی مثال ستاروں کی ہے۔ جس طرح ستارے اپنی گردش کے اعتبار سے مختلف ہیں، ہر ایک کا دائرۂ گردش بھی الگ ہے اور رفتار بھی الگ، لیکن اس کے باوجود ان سب کے اندر روشنی موجود ہے، اسی طرح صحابہ بھی باوجود اختلافات کے ہر ایک کے پاس ہدایت کا نور موجود ہے ـــــــ اخیر میں حق تشکیک کے شکار تمام ذہنوں کو شافی دوا ہی دے دی، کہ فمن اخذ بشئ مما هم عليه من اختلافهم فهو عندی علی هدی مختلف فیہ مسائل میں سے جس مسئلہ کو بھی اختیار کرو گے۔ میرا اعلان یہ ہے کہ تم کو گمراہ قرار نہیں دیا جائے گا، بلکہ تم ہدایت یافتہ لوگوں میں شمار ہوگے ـــــــ اس روایت نے یہ واضح کر دیا کہ تمام صحابہ برحق ہیں۔ اور اختلاف کے باوجود ہر ایک معیار حق ہے ـــــــ اختلافات کی موجودگی، معیار حق کے لئے مانع نہیں۔

اس روایت سے یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ اختلافِ اقوال کے وقت ان کے تمام اقوال سے صرف نظر کر کے نیا قول ایجاد کر لینا جائز نہیں، بلکہ انہی اقوال میں سے کسی قول کو اختیار کرنا ہوگا اگر ہدایت کی طلب ہوگی۔

۳- ایک صحابی کا دوسرے صحابی کو اپنے خلاف عمل کرنے کی اجازت دینا

معیار حق کے منکرین کے لئے تیسری چیز جو بنیادی وہ یہ کہ

بہت سی روایات میں آیا ہے کہ فلاں صحابی نے دوسرے صحابی کو اپنے مسلک کے خلاف عمل کرتے ہوئے دیکھا، اور اس پر کوئی نکیر نہیں کی بلکہ اجازت دی، خود حضرت صدیق اکبر رضنے بھی بہت سے مسائل میں صحابہ کو آزاد چھوڑ دیا تھا کہ وہ اپنے اجتہاد پر عمل کریں[۱] ــــ ایک صحابی کا یہ طرزِ عمل اس کے اندرونی شک کو بتاتا ہے کہ وہ اپنے مسلک پر پورے طور پر مطمئن نہیں ہیں، ورنہ وہ سب کو اپنے مسلک پر عمل کرنے کی دعوت دیتے، اور اپنے خلاف کسی دوسرے عمل کی اجازت نہیں دیتے۔

مگر یہ اشکال بھی اتنا سطحی ہے کہ اس کے لئے کسی غور وفکر کی ضرورت نہیں ہے۔ گذشتہ صفحات میں ذکر کی ہوئی روایات کے اندر جگہ جگہ صحابہ کو ستاروں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اور ان کے اختلاف کا ذکر کیا گیا ہے، تو اگر ہر صحابی دوسرے صحابی کو اپنے طرزِ عمل پر مجبور کرتا، اور اس طرح ایک پلیٹ فارم پر سب جمع ہوجاتے تو اختلاف سے جنم لینے والی وسعتیں اور رحمتیں ظاہر نہ ہوسکیں جن کے بارے میں خدا کا فیصلہ ہوچکا تھا۔

دوسری بات یہ ہے کہ ستاروں سے تشبیہ دینے کا مطلب ہی یہ ہے کہ ہر ستارہ کا دائرۂ عمل مختلف ہے؛ ہر ایک کا محور جدا جدا ہے، پھر یہ کتنی مہمل بات ہوگی کہ ایک ستارہ دوسرے ستارہ سے یہ کہنے لگے کہ تم اپنے نقطۂ عمل اور محور کو چھوڑ کر میرے محور پر

---

[۱] المستصفیٰ للغزالی ص۳۵۲ جلد ۱ ۔ ۱۲ ۔

اگر گردش کرو، اسی طرح ایک صحابی کا دوسرے صحابی کو اپنے طرزِ فکر کی دعوت دینا بالکل مہمل بات ہوگی۔

تیسری بات یہ ہے کہ صحابی معیارِ حق ہے غیر صحابی کے لئے نہ کہ خود صحابی کے لئے۔ اس لئے کہ وہ دوسرا صحابی جس کو دعوت دینے کی آپ بات کر رہے ہیں، وہ خود بھی تو معیارِ حق ہے۔ اس کے پاس اپنی روشنی موجود ہے، اپنا الگ دائرہ عمل ہے۔ اگر وہ از خود اپنی بصیرت و آگہی کی روشنی میں دوسرے صحابی کا طرزِ عمل کسی مسئلہ میں اختیار کر لیتا ہے۔ تو کوئی بات نہیں، لیکن اس معیارِ حق کو دوسرے معیارِ حق کے سامنے جھکنے پر مجبور کرنا اس کی کسی صورت میں گنجائش نہیں ہو سکتی۔

آخر ایک نبی معیارِ حق ہوتا ہے۔ غیر نبی کے لئے نہ کہ خود دوسرے نبی کے لئے، جس طرح ایک نبی کا طرزِ دعوت و تبلیغ دوسرے سے مختلف ہوتا ہے، اور پھر بھی یہ دونوں تمام انسانیت کے لئے معیارِ حق ہوتے ہیں۔ اسی طرح ایک صحابی معیارِ حق کا طرزِ عمل دوسرے صحابی معیارِ حق کے طرزِ عمل سے مختلف ہے تو کیا قیامت ہو گئی کہ اتنا ہنگامہ کھڑا کر دیا گیا۔

اور چوتھی بات یہ ہے کہ ایک صحابی دوسرے صحابی کو اپنے خلاف کرتے ہوئے دیکھ کر بھی کچھ نکیر نہیں کرتا، یہ اس کی خبر دیتا ہے کہ اس کو معلوم ہے کہ دوسرا صحابی بھی معیارِ حق ہے۔ اور معیارِ حق کے مطابق جو بھی کام ہو وہ درست ہے۔ اس لئے اس کا عمل بھی درست ہے۔ مجھے کوئی حق نہیں پہونچتا کہ اس کی معیاریت

میں خلل انداز ہوؤں ــــ غرض یہ بنیاد بھی بہت کمزور ہے جو صحابہ کے
معیارِ حق ہونے کی نفی نہیں کرتا۔

۴۔ صحابہ میں اختلاف کے وقت کتاب و سنت کی طرف رجوع۔

غلط فہمی کی ایک بنیاد یہ بھی بنالی گئی ہے کہ تمام اصول کی
کتابوں میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ جب صحابہ کے درمیان کسی مسئلہ
میں اختلاف پیدا ہو جائے تو کتاب و سنت کی طرف رجوع کرنا چاہیئے
اور جو کتاب و سنت کے موافق ہو اس کو اختیار کرنا چاہیئے۔ اور باقی
کو چھوڑ دینا چاہیئے ـــــ اس اصول کا مطلب یہ ہے کہ اصل میں
معیار کتاب و سنت ہیں نہ کہ صحابہ۔

اس شبہہ کا جواب پہلے دیا جا چکا ہے کہ اس قسم کے
مواقع پر کتاب و سنت کی طرف رجوع کی جو بات کی جاتی ہے وہ
اس لئے نہیں کہ صحابہ معیارِ حق نہیں ہیں بلکہ وجہ ترجیح کے طور پہ
اِدھر اُدھر نگاہ دوڑائی جاتی ہے۔ جو ان مختلف اقوال میں سے
کسی ایک قول کی تعیین کی طرف ہماری رہنمائی کرے۔ بغیر سوچے
سمجھے کسی ایک قول کو پکڑ لینا دانشمندی نہیں ہے۔ اہلِ بصیرت
کا کام کسی مرجح کے تحت ہونا چاہیئے ـــــ یہی وجہ ہے کہ اختلاف
اقوال کے وقت کتاب و سنت ہی پر مدار نہیں ہے۔ بلکہ ہر

اس جگہ سے مدد لی جاتی ہے جہاں سے کسی ایک قول کو ترجیح حاصل ہو سکے۔

حضرت امام شافعی کا یہ جملہ بڑا قیمتی ہے۔

اذا افترقوا فيها نقلت نصير منها الى ما وافق الكتاب او السنة او الاجماع او كان اصح فى القياس ؎۔

جب ان کا اختلاف ہو جائے تو میں نے کہا کہ ہم اس قول کو اختیار کریں گے جو کتاب و سنت یا اجماع یا صحیح ترین قیاس کے موافق ہو۔

یہاں اجماع اور قیاس کو بھی وجوہ ترجیح میں شمار کیا گیا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنا ہرگز درست نہ ہوگا کہ اصل معیار اجماع اور قیاس ہے، اس لئے کہ اس نتیجہ کا کوئی قائل نہیں ہے —— اسلئے معیار حق کے مسئلہ کو یہاں درمیان میں لانا درست نہیں، یہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح کہ احادیث میں تعارض کیوقت کتاب اللہ، اجماع اور قیاس کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ اور ان سے جس حدیث کو قوت مل جاتی ہے، اس کو ترجیح دے دی جاتی ہے اس سے کوئی خوش مزاج یہ نتیجہ نہیں پیدا کرتا کہ اصل معیار تو کتاب اللہ اجماع اور قیاس ہوا۔ اور سنت ان سے دوسرے درجے میں ہے۔

؎ الرسالۃ للامام الشافعی صفحہ ۱۲

تعجب ہے احادیث میں اختلاف و تعارض ہونا، اور اس اختلاف کو دور کرنے یا اس سے بچنے کے لئے کسی مرجح کی تلاش کرنا، کسی کی آنکھ میں نہیں گڑتا۔ اور کسی کے دماغ میں یہ خیال نہیں اُبھرتا کہ ہو سکتا ہے کہ حدیث معیارِ حق نہ ہو، لیکن جب اسی قسم کا اختلاف و تعارض اقوالِ صحابہ میں نظر آتا ہے اور اس کو دور کرنے کے لئے کتاب و سنت یا اجماع و قیاس کی طرف مراجعت کرنی پڑتی ہے۔ تو فوراً یہ آنکھ کا پھوڑا بن جاتا ہے۔ اور نمناک آنکھوں، اور پرسوز آوازوں کے ساتھ ہاتھ میں کتاب کی عبارات دکھلاتے ہوئے یہ کہا جانے لگتا ہے کہ اقوال صحابہ معیارِ حق نہیں۔ بلکہ معیار تو صرف کتاب و سنت ہے مگر اس سے آگے اجماع و قیاس ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں، جو امام شافعی کی عبارت بالا بالا میں کتاب و سنت کے ساتھ شمار کئے گئے ہیں۔ فیا اسفاہ!

ہمیں تسلیم ہے کہ اصل معیار کتاب و سنت ہے

لیکن ہم یہاں بحث اصل و نقل کی نہیں کر رہے ہیں نفس معیارِ حق کی کر رہے ہیں۔ اور اگر تھوڑی دیر کے لئے یہ ستم گوارا کیا جائے تو آیئے ہم آپ کو اصل و فروع کی بحث سے یہ سمجھاتے ہیں کہ اس بحث کو چھیڑنے سے معیارِ حق کے مسئلہ میں کچھ تخفیف پیدا نہیں ہو جاتی۔ بلکہ ایک عبرت انگیز شدت پیدا ہو جاتی ہے — اس لئے کہ اگر غور کیا جائے تو بنیادی طور پر معیارِ حق صرف کتاب اللہ ہے۔ کیونکہ وہ خدا کا کلام ہے اور خدا کا کلام ہی اس لائق ہے کہ بندوں کی زندگی کے حق و باطل کا فیصلہ دے — اور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حیثیت سے معیار حق ہیں کہ کتاب اللہ کے قوانین اور ضابطوں کی عملی تشکیل، اور اس کے مجمل امور کی تشریح آپ نے فرمائی ہے۔ اگر آپ کے عملی نمونے اور واضح تشریحات نہ ہوتیں تو کتاب اللہ کے قوانین فہم سے بالاتر تھے۔ اس لئے لامحالہ فہم قرآنی کے لئے رسولِ خدا معیار ہیں ——— اسی طرح صحابہ کرام معیار حق اس حیثیت سے ہیں کہ رسول اللہ کی ان تشریحات اور عملی تشکیلات کو ساری دنیا تک پہونچانے والے یہی صحابہ کرام ہیں۔ اگر یہ صحابہ کرام کی جماعت نہ ہوتی تو مشرق و مغرب، شمال و جنوب کے تمام انسانوں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اتری ہوئی کتاب اور اس سلسلے میں رسولِ خدا کی بتائی ہوئی تشریحات اور عملی نمونے کیسے پہونچ پاتے، اس لئے لامحالہ صحابہ کی جماعت کو معیار اور معتمد ماننا پڑے گا۔ اس لئے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تمام عالم کے انسانوں کے لئے ہوئی۔ اس کا تقاضا تھا کہ آپ کو اتنی زندگی دی جاتی اور ایسے وسائل فراہم کئے جاتے کہ تمام عالم کا آپ سیر کر پاتے اور اپنی دعوت سے تمام روئے زمین کے باشندوں کو آشنا کر سکتے۔ حالانکہ واقعہ اس کے خلاف ہے۔ آپ کو نہ اتنی زندگی دی گئی اور نہ آپ نے تمام عالم کا سیر کیا ——— اسلئے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اگرچہ رسول اللہ نے خود تمام جہاں تک اپنا پیغام پہونچانے کے لئے سفر نہیں کیا۔ مگر اپنی نیابت کے لئے اور اپنا پیغام پہونچانے کے لئے ایسی مثالی جماعت تیار کی، جس نے تمام اطرافِ عالم کا سفر کر کے دعوت نبوی پہونچائی، اور دعوت دین

کے ہر گوشہ پر اسلام کی آواز سنائی ـــــ یہی وہ جماعت ہے جسے مسلمان صحابۂ رسول کہتے ہیں۔ اگر جماعتِ صحابہ پر سے اعتماد اٹھ جائے۔ اور ان ہی سے بے دلی پیدا ہو جائے، تو گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمومی بعثت مکمل نہیں ہوئی، اور آپ کے ذمہ جو تمام عالم تک اپنی دعوت پہونچانی تھی اس کو آپ پوری طرح ادا نہ کر سکے۔ (معاذ اللہ) ـــــ یہ بات سوائے اس شخص کے کون کہہ سکتا ہے جس کے قلب میں اسلام کی طرف سے دشمنی کی آگ بھڑک رہی ہو، اور اس کا دماغ اسلام کی طرف سے بدگمان ہو۔

۵- بعض صحابہ سے لغزشیں

صحابہ کرام کے معیارِ حق ہونے کے بارے میں تذبذب کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض صحابہ کرام سے لغزشیں ہوئیں ان میں بعض لغزشیں ایسی تھیں۔ جن کے اندر کوئی دوسرا خیر کا پہلو نہیں نکالا جا سکتا ـــــ

لیکن صحابہ کی لغزشوں کو بنیاد بنا کر ان کے منصب کا انکار کر دینا، دانشمندی کی بات نہیں، بھول چوک کس انسان سے نہیں ہوتی، تمام انسانوں کے جدِ امجد حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی لغزش ہوئی، انسان کی خمیر ہی میں غلطی اور بھول چوک رکھدی گئی ہے ـــــ ایک مثالی انسان کا کمال یہ ہے کہ جب اس سے غلطی ہو تو اس کا اعتراف کر لے، اور اس سے توبہ کر کے

پھر اسی سیدھی راہ پر لوٹ آئے جو خدا کو مطلوب ہے ــــــ ہمیں اعتراف ہے کہ بعض صحابہ سے لغزشیں ہوئیں، لیکن وہ ایک وقتی غفلتِ بشری کا اثر تھا، جو تھوڑی دیر کے بعد ختم ہوگیا، اور وہ اپنی بھول پر نادم ہوئے اور پھر وہ اپنے اسی منصب عالی پر فائز ہوگئے، جس پر ان کو فائز کیا گیا تھا۔

آپ کسی ایک بھی ایسے صحابی کی مثال نہیں پیش کرسکتے جو اپنی خطا پر تاحیات قائم رہے ہوں، اور قدرت کی طرف سے ایسے انتظامات نہ ہوئے ہوں جن سے یا تو ان کی اصلاح کر دی گئی یا وہ اپنی بھول سے باز آگئے اور نادم ہوئے ــــــ آپ صحابہ کی ذاتی زندگی سے اجتماعی زندگی تک کے ایک ایک نقش کا مطالعہ کرجائیے، ایسا کہیں نہیں مل سکتا کہ کسی موڑ پر صحابہ کو اپنی لغزشوں کا علم ہونے کے بعد بھی ان پر ندامت نہ ہوئی ہو، صحابہ سے جو لغزشیں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں ہوئیں ان کے بارے میں تو کچھ کہنا ہی نہیں ہے۔ اس لئے کہ ان کی تلافی حیات نبوی ہی میں کی جاچکی، اور اس تلافی کے بعد کسی بھی انسان کے لئے یہ اشتباہ نہ رہا کہ یہ غلطیاں نہیں ہیں ــــــ رہی وہ لغزشیں جو حیات نبوی کے بعد سے متعلق ہیں۔ تو ہمیں ذاتی زندگیوں کے بارے میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ رہی اجتماعی زندگی کی لغزشیں مثلاً حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کے درمیان جنگ جمل، جس میں تمام محققین کے اتفاق کے مطابق حضرت عائشہؓ کے اجتہاد کا یہ پہلو درست نہیں تھا ــــــ مگر تاریخ بتاتی ہے کہ حضرت عائشہؓ کو جب پوری رپورٹ اور مکمل

صورتِ حال کا بعد میں علم ہوا تو بڑی نادم ہوئیں، اور پھر حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان وہی تعلقات قائم ہو گئے جو قبل سے قائم تھے۔

اسی طرح حضرت معاویہؓ اور حضرت علیؓ کی جنگ صفین اس میں بھی تمام اہل حق کا اتفاق ہے کہ حضرت معاویہؓ کا اجتہاد صحیح نہیں تھا ـــــ لیکن کیا یہ ثابت کیا جا سکتا ہے؟ کہ حضرت معاویہؓ اپنی اس لغزش پر تاحیات قائم رہے، اور ان کی اس لغزش کی اصلاح نہیں کر دی گئی؟ حضرت علیؓ کی زندگی تک حضرت معاویہؓ کا دعویٰ خلافت بلاشبہ درست نہیں تھا۔ مگر حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد حضرت امام حسنؓ نے جب اپنا حق حضرت معاویہؓ کو سونپ دیا۔ اور خود خلافت سے دست بردار ہو گئے، تو اب حضرت معاویہؓ کی خلافت برحق ہو گئی، اور وہ تنہا پورے عالم اسلام کے برحق خلیفہ اور امیر ہو گئے ـــــ

یہ خدا کا قدرتی نظام ہے کہ صحابہ کے لئے کچھ ایسے انتظامات کئے جاتے ہیں، جن سے وہ حقانیت کے اس مقام بلند پر پہنچ جاتے ہیں، جو صحابہ کے شایانِ شان ہے۔

اس کے علاوہ مزید غور طلب بات یہ ہے کہ ہر وہ غلطی جو انسان سے صادر ہو وہ معصیت کے درجہ میں نہیں آجاتی۔ اور انسان کو اپنے مقام سے نہیں گراتی۔ قابل گرفت وہ غلطی ہے۔ جس میں خدا کی نافرمانی کا قصد ہو، یا اس فعل میں خدا کی رضا کا خیال پس پشت ڈال دیا گیا ہو، ـــــ جیسا کہ عام انسان غلطیاں کرتے ہیں۔

اور بہت سے نامناسب افعال کا ان سے صدور ہوتا ہے مگر وہ غلطیاں اہمیت اس لئے اختیار کر لیتی ہیں کہ اولاً اس میں خدا کی رضا و ناراضی کا کچھ خیال ملحوظ نہیں ہوتا، دوسرے اپنی غلطیوں کا احساس نہیں ہوتا، اور ان پر سرکشی کا اضافہ ہوتا رہتا ہے ــــــ ایک مثالی انسان اور عامی انسان کی غلطیوں میں یہی وہ بنیادی فرق ہے جو دونوں کے مقام و منصب کے درمیان خط فاصل کھینچتا ہے ــــــ حضرت آدم سے جنت میں لغزش ہوئی مگر اس لغزش کا منشاء ہرگز خدا کی نافرمانی نہیں تھی بلکہ خدا کے قرب کا حصول، اور جنت کے خلود کا شوق تھا جس کے غلبہ میں آکر حضرت آدم سے یہ لغزش صادر ہوگئی ــــــ اور اسی خلوص نیت کی بنیاد پر حضرت آدم کو ان کے منصب سے معزول نہیں کیا گیا۔ بلکہ نبوت و خلافت کا وہ عظیم تاج جو ان کے سر پہ رکھا گیا تھا، وہ علیٰ حالہ باقی رہا۔

صحابہ کرام کی لغزشوں کو بھی اسی حیثیت سے دیکھنا چاہیئے ان کے مشاجرات اور جنگ و خون ریزی میں بھی ہرگز کسی خواہشِ نفس کا دخل نہیں تھا، یا مسلمانوں کی گردنیں کاٹنے کا شوق پیش نظر نہیں تھا۔ مقصد ان کے تمام کردار میں یہ رہا کہ باطل کا زمین سے خاتمہ ہو جائے، اور حق کا جھنڈا پورے شکوہ کے ساتھ زمین پر لہرایا جائے۔ یہی وہ خلوصِ نیت اور رضائے باری کے حصول کا جذبہ تھا جس سے مغلوب ہو کر صحابہ جیسی مقدس جماعت خود مسلمانوں کے مقابلے میں میدانِ کارزار میں اتر آئی، اور کتنی گردنیں کاٹی گئیں اور کتنی لاشیں زمین پہ تڑپیں۔

تو جس طرح حضرت آدم کی بشری لغزش ان کے منصب معیارِ حق کے لئے نقصان دہ نہیں تھی۔ اسی طرح صحابہ کرام کی بھی انسانی لغزشیں اور وقتی بھول چوک ان کے منصب معیارِ حق پر اثر انداز نہیں ہو سکتیں، بلکہ وہ بحالہ اپنے منصب پر باقی رہے۔

صحابہ کرام کے دل میں بھی خلوصِ نیت اور رضائے الٰہی کے حصول کی تڑپ تھی، جس کے پیش نظر خدا نے ان کی آئندہ ہونے والی لغزشوں سے درگزر فرما کر اپنی دائمی رضا و خوشنودی کا اعلان کیا۔ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ، کہ ان کی زندگی کا مقصد ہی رضائے الٰہی کی طلب ہے۔ ورنہ اگر صحابہ کے دل میں کوئی کھوٹ ہوتا اور ان کے اعمال میں کسی خواہشِ نفس کا دخل ہوتا تو وہ خدائے علام الغیوب ان سے اپنی دائمی رضا کا اعلان نہ کرتا، اور رضی اللہ عنہم کا پروانہ انہیں نہیں دیا جاتا۔

یہاں ایک نکتہ اور بھی قابلِ غور ہے کہ صحابہ کے درمیان جو مشاجرات ہوئے ان میں تمام امت کے نزدیک کوئی بھی فریق گمراہ نہیں تھا۔ البتہ جن لوگوں نے ان اختلافات کو بنیاد بنا کر صحابہ کے دونوں فریق کو ناحق قرار دیا اور دونوں ہی سے الگ ہو گئے، خود ان کو تمام امت نے گمراہ قرار دیا۔ اس لئے کہ وہ اختلافاتِ صحابہ اور مشاجرات صحابہ کی وجہ سے صحابہ سے بدگمان ہوئے، اور صحابہ کی جماعت کو جادۂ حق سے برگشتہ قرار دیا۔

اس میں بڑی عبرت ہے ان لوگوں کے لئے جو مشاجرات صحابہ کی بحث معیارِ حق کے ذیل میں چھیڑتے ہیں۔ تاکہ ان مشاجرات کے ذریعہ صحابہ سے معیارِ حق کا منصب چھین لیں۔ لیکن یاد رہے

کہ جس طرح پوری امت نے خوارج کو سابقہ صدیوں میں گمراہ قرار دیا تھا۔ آج بھی اگر کوئی خوارج کی سنت پر چلتا ہے تو وہ بھی بلاشبہ گمراہ قرار دیا جائے گا۔

صحابہ کا اپنی لغزشوں پر نادم ہونا، ان کے دل میں رضائے باری کے لیے اٹھتی ہوئی امنگیں اور جذبات خدائے عالم الغیوب کا یہ سب جان کر بھی اپنی دائمی رضا کا اعلان اور صحابہ کے اختلافات سے بدگمان ہونیوالی جماعت کو پوری امت کا گمراہ قرار دینا یہ سب ایک بصیرت مند اور حق پرست طالب حق کی تسلی واطمینان کیلئے بہت کافی ہیں۔ واللہ اعلم۔

اکابر امت صحابہ کے آستانے پر

صحابہ کے آستانے پر عقیدت ومحبت کے جو پھول میں نے پیش کئے ہیں۔ تقریباً تمام اکابر متقدمین ومتاخرین نے اپنے اپنے انداز میں اسی طرح کی عقیدت ومحبت کا اظہار کیا ہے۔ تمام محدثین نے بیک زبان کہا کہ صحابہ کی پوری جماعت عادل ہے۔ یہ عدالت ایک عظیم منصب ہے۔ اعتماد وثقاہت کا۔ دیانت وصداقت کا خلوص وللہیت کا۔ تقویٰ وپرہیزگاری کا، اور زندگی کے ہر موڑ پر رضائے خداوندی پیش نظر رکھنے کا۔

ان اکابر نے بڑے واضح انداز میں کہا کہ صحابہ کی پوری جماعت کی پاکیزہ زندگیاں تاریخ کی نگاہ کے سامنے گذری ہیں۔ مگر

تاریخ کی انگلی کسی ایک بھی ایسی جگہ کی گرفت نہ کرسکی۔ جہاں نفسانی خواہش کا دخل رہا ہو۔ یہ تاریخ کی خاموشی واضح بیان ہے اس کے لئے کہ صحابہ کے لئے اب مزید تعدیل کی ضرورت نہیں ہے۔ ان پر ہمارا مکمل اعتماد ہے ـــــ اس کے علاوہ اللہ پاک نے جب ان پر اپنے اعتماد کا اظہار کیا۔ اور ان کا تزکیہ و تعدیل فرمادی۔ تو پھر کسی شبہ کی گنجائش کہاں رہ جاتی ہے؟ کہ ہوسکتا ہے کہ ان کی زندگی کا کوئی گوشہ قابلِ گرفت ہو۔

ہم چند بزرگوں کی عبارتیں نقل کرتے ہیں ـــ مشہور حنبلی امام، علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں۔

الذی علیہ سلف الامۃ وجمہور الخلف ان الصحابۃ رضی اللہ عنہم معلومۃ عدالتہم [1]۔

وہ چیز جس پر سلف اور جمہور خلف کا اتفاق ہے وہ یہ ہے کہ صحابہ کی عدالت معلوم ہے۔ یعنی اب مزید تحقیق کی ضرورت نہیں ہے۔

اسی کتاب کے حاشیہ میں ہے۔

ان اللہ تعالیٰ اثنیٰ علیہم وکل من اثنیٰ علیہ فہو عدل وھذا معتقدنا بہم الا ان یثبت بطریق القطع ارتکاب واحد الفسق مع علمہ و ذلک مما لا یثبت فلا حاجۃ لہم

---

[1] روضۃ الناظر صفحہ جلد ۱۲۸

الی التعدیل [1]۔

بیشک اللہ تعالیٰ نے ان صحابہ کی تعریف کی، اور جس کی خدا تعریف کرے وہ عادل ہے۔ اور یہی ہمارا ان کے بارے میں اعتقاد ہے۔ مگر یہ کہ یقینی طور پر ثابت ہو جائے کہ ان میں سے کسی نے فسق کا ارتکاب جان بوجھ کر کیا ہے حالانکہ یہ ثابت نہیں۔ اسلئے ان کی تعدیل کی ضرورت نہیں۔

کتنی صفائی کے ساتھ کہہ دیا گیا کہ صحابہ سے کسی فسق کے ارتکاب کا ثبوت نہیں ہے۔ اس لئے ان کے بارے میں کسی تحقیق کی ضرورت نہیں ہے۔

خطیب بغدادی فرماتے ہیں۔

یجب ان یکونوا علی الاصل الذی حتی منساہ من حال العدالۃ والرضاء اذلم یثبت ما یزیل ذلک عنھم [2]۔

ضروری ہے کہ وہ صحابہ اسی اصل پر ہوں جو ہم عدالت اور رضا کے بارے میں پہلے بیان کر چکے ہیں اسلئے کہ ایسی کسی چیز کا ثبوت نہیں ہوا جو ان کی عدالت کو ختم کر دے۔

گویا ان کی تحقیق میں کبھی صحابہ سے کسی ایسی غلطی کا صدور نہیں ہوا ہے جو ان کے منصب عدالت اور معیار حق کیلئے نقصان دہ ہو۔

---

[1] نزہۃ الناظر صفحہ جلد ۱۲/۱ - [2] الکفایہ صفحہ ۴۹ ۱۲

امام شعرانی الیواقیت والجواہر میں مشہور محدث ابن الانباری کا یہ کلام نقل کرتے ہیں جو صحابہ کرام کے بارے میں انہوں نے فرمایا ہے۔

ولم یثبت لنا الی وقتنا هذا شئ یقدح فی عدالتهم فنحن علی استصحاب ما کانوا علیه فی زمن رسول الله صلی الله علیه وسلم [1]۔

اور ہمارے وقت تک کسی ایسی چیز کا ثبوت نہیں مل سکا ہے۔ جو ان صحابہ کی عدالت کو نقصان پہونچائے۔ اسلئے ہم ان کے بارے میں انہی احوال کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ان کے تھے

محدث ابن الانباری نے تمام احتمالات کا صفایا ہی کر دیا۔ فرمایا کہ اس احتمال کی ضرورت ہی نہیں۔

کہ ہو سکتا ہے کہ صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں تو اس مقام کے حامل رہے ہوں۔ جن کے بارے میں بہت سی بشارتیں، اور ان کی پیروی کے بارے میں تاکیدی احکام دیئے گئے لیکن وفات نبوی کے بعد ان کی زندگیوں میں تبدیلی آگئی ہو ——— ابن الانباری نے کہدیا کہ اس قسم کے کسی احتمال کا اب تک ثبوت نہیں مل سکا ہے۔ اسلئے ہم ان کو انہی احوال و اوصاف کا حامل سمجھتے ہیں۔ جن کے وہ عہد نبوت میں حامل تھے۔

---

[1] الاسالیب البدیعة ص۱۷۔

ان کے اختلافات اور اجتہادی نزاعات کے بارے میں غلط فہمی دور کرتے ہوئے ملا علی قاری شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں۔

قلت الظاهر اختلاف الخلافة اينما من باب اختلاف فرع الدين الناشي من اجتهاد كل لا من الغرض الدنيوي الصادر عن حظ النفس [1]۔

میں کہتا ہوں کہ ظاہر امر یہ ہے کہ خلافت کا اختلاف مسائل دین کے بارے میں اختلاف کی قبیل سے ہے۔ جو اختلاف اجتہاد کے ذریعہ پیدا ہوتا ہے نہ کہ کسی دنیوی غرض سے جس میں خواہش نفس کی آمیزش ہوتی ہے۔

ملا علی قاری نے واضح فرما دیا کہ ان کی خلافتی جنگ میں بھی خواہش نفس کا دخل نہیں تھا۔ بلکہ یہ اسی طرح کا اختلاف تھا جو اجتہادی مسائل میں قدرتی طور پر پیدا ہو جاتا ہے

اسی طرح کی بات شرح السنۃ، ارشاد الفحول، اور الیواقیت والجواہر میں بھی ہے۔ تفصیل کے لئے ان کتابوں کی طرف رجوع فرمائیں۔

یہ امت کے وہ اساتین ہیں جو اپنی مسلسل شہادتوں سے صحابہ کرام کے بارے میں تمام اشکالات دھوتے جا رہے ہیں

---

[1] مرقاۃ مشکوٰۃ جلد ۱۰ ص ۱۲

پھر کتنا بدنصیب ہوگا وہ دل جو ان مسلسل کوششوں کے باوجود زنگ آلود رہ جائے۔ اور صحابہ کی طرف سے اس کے دل کا غبار صاف نہ ہوسکے

۶- بعض علماء کی عبارات

آیئے غلط فہمی کی ایک اور بنیاد کا بھی جائزہ لے لیں۔ معیارِ حق کے بارے میں غیر مطمئن لوگ یہ دیکھتے ہیں کہ بہت سے علماء نے اپنی کتابوں میں ایسے جملے استعمال کئے ہیں۔ جن سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ وہ صحابہ کو حجت نہیں سمجھتے ـــــ مثال کے طور پر امام غزالی کی المستصفیٰ کی عبارت، آمدی کی الاحکام فی اصول الاحکام کی عبارت۔ ابن حاجب کی عبارت، اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی بعض وہ عبارات۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب و سنت کے سوا کسی کی پیروی نہ کی جائے۔

ان میں امام غزالی، ابن حاجب اور آمدی کے بارے میں تو کچھ کہنا ہی بے سود ہے اس لئے کہ ان کی تمام گفتگو کی بنیاد امام شافعی کے قول جدید کی حمایت ہے اور ظاہر سی بات ہے کہ جب کوئی انسان کسی نظریے کو قبول کر لیتا ہے تو قدرتی طور پر اس کے پاس اس سلسلے میں دلائل بھی فراہم ہوجاتے ہیں۔ اور اپنے نظریے کے خلاف سمت کا صاف انکار کر دیتا ہے (۱) لیکن سوال صرف یہ ہے کہ امام شافعی کا قول جدید

جس کو ان بزرگوں نے اتنی اہمیت دی ہے وہ امام شافعی کی کسی ذاتی تصنیف میں کیوں نہیں ملتا؟ اس کے علاوہ اگر امام شافعی کے نزدیک قول قدیم درست نہیں تھا، بلکہ قول جدید اخیر میں صحیح قرار پایا تھا۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ انہوں نے اپنے قول قدیم کی تردید نہیں کی؟ اور الرسالہ میں جو عبارت وہ لکھ چکے تھے اس کو کیوں حذف نہیں کیا؟ اور اپنے قول قدیم سے صاف طور پر کیوں برأت ظاہر نہ کی؟ جبکہ انہیں یقیناً اندازہ رہا ہوگا کہ ایک ذمہ دار عالم ہونے کی حیثیت سے ان کی بات مخلوق کے لئے قابل تسلیم ہوگی۔ اس وقت حضرت امام شافعی کا قول قدیم کا انکار نہ کرنا۔ اور الرسالہ کی عبارت کو ساقط نہ کرنا یہ حضرت امام شافعی کی اس تاریخی مجبوری کو بتاتا ہے۔ جو ہم قبل میں لکھ چکے ہیں کہ ان کے نزدیک بھی قول قدیم درست تھا۔ مگر مصلحۃً قول جدید کو اختیار فرمایا تھا ؎

(۲) دوسرے ان بزرگوں کی عزت و حرمت کے پیش نظر ان کے بارے میں بھی ہم یہی کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ وقتی ضرورت کے تحت ان بزرگوں کو یہ رد عمل کرنا پڑا ہو۔ جس طرح کہ امام شافعی کو کرنا پڑا تھا۔

(۳) تیسری بات یہ ہے کہ اسلاف امت اور علمار کرام کی بے شمار جماعت کے آگے ان چند گنے چنے علمار کی تعداد بہت محدود ہے۔

؎ یعنی صحابہ کے حوالے سے کوئی بھی بات قبول کرلی جاتی تھی اس کے صدق و کذب کی تحقیق کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی تھی۔ اس کو روکنے کے لئے امام شافعی نے قول جدید اختیار کیا تھا۔

(۴) چوتھی بات یہ ہے کہ ان بزرگوں کی تکریم و تعظیم ملحوظ رکھتے ہوئے، یہ کہا جائے کہ یہ ان کے ذاتی نظریات تھے جن سے اتفاق کوئی ضروری نہیں۔

(۵) یا تاویل کی جاتے کہ ان بزرگوں نے صحابہ کے حجت ہونے کا اس معنیٰ میں انکار کیا ہے جو معیار حق کا مبہم اور مروجہ تصور ہے کہ کسی بھی ایک صحابی کو جیون بھر کے لئے تمام مسائل حیات میں حجت سمجھکر پکڑ لینا۔ اور ان کے مقابلے میں بڑے سے بڑے صحابی کی بھی بات کی طرف دھیان نہ دینا خواہ دوسرا صحابی کتنی ہی مضبوط بات کر رہا ہو، یعنی انفرادی حجیت کا قائل ہونا نہ کہ مجموعی حجیت کا، یہ صحیح نہیں" ـــــ لیکن وہ تصور جو اکابر کی عبارات کی روشنی میں پہلے پیش کیا گیا۔ یعنی دوران حق کا قائل ہونا، اور صحابہ کے اقوال سے خروج نہ کرنا وہ ان کی عبارتوں میں مراد نہیں ہے۔ اور آخر یہ کیسے ممکن ہے کہ صحابہ کے بارے میں وہ اتنا کمتر خیال رکھیں گے؟۔

(۶) آخری بات یہ ہے کہ صحابہ کے معیار حق ہونے کا انکار کرنے کے لئے غیر صحابی کی عبارتوں کو معیار بنانا بجائے خود اپنے مسلک و مذہب کو توڑنا ہے ـــــ کہ صحابہ کو تو معیار حق نہ مانئے مگر دوسرے بزرگوں کی عبارتوں کو اپنی اس بات کی حقانیت کے لئے معیار قرار دیجئے ـــــ صحابہ کی پوزیشن کے تعین، اور معیار حق کی شناخت کے لئے پوری امت سلف اور خلف کا نظریہ اور قرآن و حدیث کے نصوص دیکھنے چاہئیں، نہ کہ کچھ اور۔

رہے حضرت شاہ ولی اللہ تو ان کے بارے میں یہ کہنا بالکل بے سروپا ہے کہ وہ صحابہ کے معیار حق کے قائل نہ تھے، ان کی عبارت سے صحابہ کے حجت ہونے کی نفی نہیں ہوتی۔ انکی عبارت یہ ہے ۔

عن الاوزاعی قال کتب عمر ابن عبد العزیز انه لا رای لاحد فی کتاب الله ولا رای لاحد فی سنة سنها رسول الله صلى الله عليه وسلم وانما رای الائمة فيما لم ينزل فيه كتاب ولم تمض فيه سنة من رسول الله صلى الله عليه وسلم [1] ۔

امام اوزاعی کہتے ہیں کہ حضرت عمر ابن عبد العزیزؒ نے لکھا کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں کسی کی رائے کا اعتبار نہیں ہے ۔ ائمہ کی رایوں کا اعتبار صرف ان چیزوں میں ہے جن بارے میں کتاب اور سنت رسول اللہ خاموش ہو ۔

اس عبارت سے یہ مطلب نکالنا کہ کتاب وسنت کے سوائے کسی کی رائے کا کچھ اعتبار نہیں ہے اور صحابہ معیار حق نہیں ہیں ۔ یہ محض خوش فہمی ہے ۔ اسلئے کہ عبارت کا

---

[1] حجة الله البالغة ۔ المبحث السابع ۔ باب الفرق بین اهل الحدیث واهل الرأی ص۱۲ج۱ ۔ ۱۲ ۔

مطلب صرف اتنا ہے کہ جو مسائل کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ سے ثابت ہیں اس کے بارے میں کسی رائے زنی کی گنجائش نہیں ہے رائے اور قیاس کا صرف ان امور میں اعتبار ہے جو کتاب و سنت سے ثابت نہ ہوں ۔ اس عبارت سے کہاں یہ مفہوم نکلتا ہے کہ صحابہ معیارِ حق نہیں ہیں ۔ افسوس ہے ان نگاہوں پر جن کو سیدھی راہ بھی ٹیڑھی نظر آتی ہے ۔

اور اگر شاہ صاحب کی کوئی عبارت خدانخواستہ ایسی مل بھی جائے جس سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہو کہ صحابہ حجت نہیں ہیں تو اس کے اندر بھی وہی تاویل کی جائے گی جو ہم امام غزالی وغیرہ بزرگوں کے سلسلے میں کہہ آئے ہیں ۔

۷ - بعض آیات سے غلط فہمی

بعض لوگ غلط فہمی کے شکار ان آیات کی بناء پر بھی ہو جاتے ہیں ۔ جن میں مطلق طور پر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے مثلاً ۔

اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیئ فردوہ الی اللہ والرسول (الآیۃ) (نساء)

اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو ۔ اور اپنے میں سے اولی الامر کی ۔ پھر اگر تم کسی چیز میں جھگڑ جاؤ تو اس

کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو (یعنی اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرو)

فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما ۰

پس تیرے رب کی قسم وہ مومن نہیں ہو سکتے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے جھگڑوں میں آپ کے فیصلہ لیں اور پھر اپنے دل میں آپ کے فیصلے کے بارے میں کچھ تنگی محسوس نہ کریں اور پورا پورا مان لیں۔

وما کان لمومن ولا مومنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امرا ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم۔ (الآیۃ)

اور کسی مومن مرد اور عورت کے لئے یہ گنجائش نہیں ہے کہ جب اللہ اور رسول نے کسی چیز کا فیصلہ کر دیا۔ تو ان کو اپنے معاملہ کا اختیار حاصل ہو۔

اس قسم کی اور بھی آیات ہیں۔ جن میں اصل اطاعت اللہ اور رسول کی قرار دی گئی ہے گویا معیار حق خدا اور رسولِ خدا ہیں۔ نہ کہ کوئی دوسری جماعت۔

لیکن ہمیں تعجب ہے کہ اس قسم کی مطلق آیات سے یہ مطلب کیسے نکال لیا گیا کہ صحابہ معیار حق نہیں ہیں۔ ہمیں تسلیم ہے کہ اصل معیار حق خدا اور رسول ہیں اور صحابہ کو معیار حق کا جو

بھی منصب ملا وہ سب خدا اور رسول کے فیض سے ملا۔ مگر بحث یہاں اصل و فرع کی نہیں۔ نفس معیار حق کی ہے۔ ان آیات میں اگر صحابہ کرام کے بارے میں سکوت و خاموشی برتی گئی ہے، تو اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ صحابہ معیار حق نہیں ہیں۔ صحابہ کے معیار حق ہونے کے لئے دوسری نصوص قرآنی اور احادیث موجود ہیں جن کی تفصیل آئندہ آرہی ہے ــــــ کسی چیز کا ذکر نہ ہونا، اس کے نہ ہونے کو لازم نہیں کرتا۔ آپ اپنی روزمرہ کی گفتگو کی بہت سی چیزوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔ مگر دنیا کی بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو آپ کے علم میں بھی نہیں، یا علم میں ہیں۔ لیکن ان کا آپ تذکرہ نہیں کرتے ہیں۔ بعض چیزیں تو ایسی بھی ہیں جن کا آدمی زندگی بھر تلفظ نہیں کرتا ــــــ تو کیا آپ کے یہ ذکر نہ کرنے کی وجہ سے یہ کہا جا سکتا ہے؟ کہ وہ چیزیں اس دنیا میں سرے سے موجود ہی نہیں ہیں۔ قرآن نے بہت سے نبیوں کا قصہ بیان کیا ہے۔ مگر نہیں معلوم کتنے انبیاء ہیں جن کا تذکرہ بھی قرآن میں نہیں ہے۔ لیکن اس سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ ان انبیاء کی داستانِ حیات ہی کسی زمانے میں روئے زمین پر نہیں چھیڑی گئی۔ قرآن نے اس شبہ کا یہ کہکر خاتمہ کیا۔

ولقد ارسلنا رسلا من قبلك منهم من قصصنا عليك ومنهم من لم نقصص عليك

(الآیة)

اور تحقیق کہ ہم نے آپ سے پہلے رسول بھیجے جن میں سے

ہم نے بعض کا آپ سے تذکرہ کیا ہے۔ اور بعض کا ذکر نہیں کیا ہے۔

اس لئے یہ سمجھنا حد درجہ غیر دانشمندانہ ہے، کہ ان چند آیات میں اگر صحابہ کرام کا ذکر نہیں کیا گیا تو ان کا معیار حق ہونا باطل ہوگیا۔

دوسری بات یہ ہے کہ جب رسول کو معیار حق قرار دیا گیا تو اس کے ذیل میں صحابہ کو بھی معیار حق قرار دیا گیا۔ اس لئے کہ رسول کی اطاعت کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے تمام اقوال وافعال تسلیم کر لئے جائیں۔ اور پیچھے بھی بہت سی حدیثیں گذر چکی ہیں۔ اور آئندہ صفحات میں بھی متعدد حدیثیں آئیں گی۔ جن میں حضور م نے بارہا سخت تاکید کے ساتھ صحابی کی پیروی اور اتباع کا حکم دیا ہے۔

اور ان کے بارے میں طعن وتشنیع اور تنقید سے منع کیا ہے۔ اگر رسول معیار حق ہیں تو ان کی احادیث واجب التسلیم ہیں۔ اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے جب صحابہ کرام کو معیار حق کا منصب عطا کر دیا گیا۔ تو رسول خدا کو معیار حق ماننے کا لازمی مطلب یہ ہے کہ صحابہ کو بھی معیار حق مانا جائے رسول خدا کو معیار حق مانتے ہوئے، صحابہ کے معیار ہونے میں تذبذب کا شکار ہونا درحقیقت خود رسول خدا کی معیاریت میں شک وتذبذب کی دلیل ہے۔ جس کی کسی مسلمان سے توقع نہیں رکھی جا سکتی۔

غرض کہ ان بے قید آیات کا غلط محل متعین کرنا اپنی اندرونی کمزوری کا اظہار ہے اور صحابہ کی مقدس جماعت کے بارے میں بے اعتمادی ہے۔ جبکہ خود خدا اور رسولِ خدا نے بھی مکمل اعتماد کا اظہار کیا ہے۔

بہت ہی حیرت انگیز بات ہے کہ اللہ کے نبی بار بار پکار پکار کر فرما رہے ہیں کہ میرے صحابہ ستارے کی مانند ہیں ان کی پیروی کرو۔ ان کی عیب جوئی میں نہ لگو، ان کی محبت کو حرز جان بناؤ، جو لوگ ان پر تنقید کرتے ہیں ان سے کنارہ کشی کرو، میرے صحابہ سے بغض نہ رکھو۔ مگر افسوس ہے۔ نبی کے اس امتی پر جو آپ کو معیار حق جان کر بھی آپ کے ان پیہم اعلانات پر کان نہیں دھرتا۔ بلکہ آپ کے اعلان کے برعکس یہ اعلان کرتا ہے کہ صحابہ معیار حق نہیں ہیں۔ ان کی حیثیت ان بزرگوں اور اولیاء اللہ سے زیادہ نہیں ہے۔ جو صحابہ کے بعد پیدا ہوئے۔

۸ ۔ صحابہ مکلّف ہیں ۔

غلط فہمی کی ایک بنیاد یہ بھی سمجھی گئی ہے کہ جب صحابہ خود کتاب و سنت کے مکلف ہیں۔ تو دوسرے لوگ ان کی باتوں کے مکلف کیوں کر ہو سکتے ہیں؟ مگر اس غلط فہمی کی بنیاد بھی سطحیت ہے۔ اس لئے کہ محض تکلیف کوئی ایسی چیز نہیں جو معیار حق ہونے کے منافی ہو ——— دیکھئے انبیاء کرام

بلاشبہ معیارِ حق ہیں۔ مگر اس کے باوجود وہ اوامرِ خداوندی کے مکلّف ہیں۔ اور ان پر وہی تمام تکلیفی احکام آئے ہیں۔ جو ایک عام انسان پر آتے ہیں بعض مستثنیات الگ چیز ہے۔ مگر عام طور پر انبیاء بھی انہی احکام کے مکلّف ہوتے ہیں۔ جن کا مکلّف ایک عام امتی ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تکلیف کسی بھی فرد یا جماعت کی معیاریتِ حق کے منافی نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ مکلّف خدا اور رسول کے احکام کے ہیں۔ اور خدا اور رسول ہی کے حکم کے مطابق تمام انسانیت صحابہ کی مکلّف ہے۔

۹- معیارِ حق اور بر سرِ حق کا فلسفہ

یہ وہ غلط بنیادیں تھیں جن پر صحابہ کرام کی مقدس اور پاکیزہ زندگیوں کو ناقابلِ اعتبار دکھلانے کا شیش محل تیار کیا گیا تھا۔ ان بنیادوں کے منہدم ہونے اور ان سے وابستہ تمام تر خواب بکھر جانے کے بعد اب وقت آیا ہے کہ اس تازہ اور ہموار زمین پر ان دلائل کی بنیادیں رکھی جائیں۔ جو معیارِ حق کے تصور کے لئے واضح ثبوت ہوں ـــــــ لیکن ان دلائل کے پیش کرنے سے قبل ایک بات ذہن سے صاف کر دینا چاہتا ہوں کہ تمام وہ آیات اور احادیث جن میں صحابہ کرام کے کمالات اور خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔ ان سب کے

بارے میں معیار حق کے منکرین یہ کہکر غلط فہمی پیدا کرتے ہیں کہ ان نصوص کا تعلق صحابہ کرام کے فضائل سے ہے۔ جن سے یہ ثابت ہوتا کہ وہ سب برسرِ حق تھے۔ ان سے محبت و عقیدت رکھنا ایک مسلمان کا فریضہ ہے۔ ان آیات و احادیث سے صحابہ کا معیارِ حق ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ صرف برسرِ حق ہونا ثابت ہوتا ہے ـــــ یہ ہے ہمارے کرم فرماؤں کا دلپذیر فلسفہ لیکن کتنا حیرت انگیز ہے یہ معیارِ حق اور برسرِ حق کا فرق جس کے لئے کوئی قرینہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ ان کے دماغ کی رسائی یہاں تک ہوئی ہے۔

سب سے پہلی بات تو غور طلب یہ ہے کہ جب یہ تسلیم ہے کہ صحابہ کرام کی پوری جماعت برسرِ حق تھی، تو پھر کون سی رکاوٹ ہے جس کی بنا پر ان کو حق کے لئے ذریعۂ شناخت نہیں بنایا جاتا ، ان کی پیروی و اتباع کو اپنے لئے سعادت نہیں سمجھی جاتی۔ جبکہ متعدد احادیث میں صحابہ کرام کے اتباع کا حکم دیا گیا ہے ـــــ افسوس کی بات ہے کہ کل جب قیامت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سامنا ہوگا۔ اور حضور نے پوچھ دیا کہ تم نے میرے صحابہ کی جماعت کو برسرِ حق سمجھا اور یہ بھی اعتراف کیا کہ وہ باطل پرست نہیں تھے۔ اور ان کے کسی عمل میں خواہش نفس کا دخل نہیں تھا، دوسری طرف میرا فرمان مسلسل تھا کہ ان صحابہ کی پیروی کرو۔ پھر کس چیز نے تمہیں صحابہ کرام کو اپنا قائد و رہنما بنانے سے روک دیا؟ اور ان

کی تنقید و عیب جوئی پر تمہیں آمادہ کیا ؟ تو کیا جواب ہوگا - جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دیا جا سکے گا -

دوسری بات یہ ہے کہ ان آیات و احادیث میں فضائل و مناقب ہی محض بیان کئے گئے ہوں تو بھی ان کا معیار حق ہونا ثابت ہوتا ہے - اس لئے کہ صرف صحابہ ہی کی ایک ایسی جماعت ہے - جن کی اتنے کھلے لفظوں میں تعریف کی گئی صحابہ کے علاوہ کسی اور جماعت کے بارے میں اس قسم کے فضائل و خصوصیات بیان نہیں کئے گئے - صحابہ کی خاصیات کو خاص طور پر بیان کرنا - اور ساتھ ہی ان کے اتباع کے تاکیدی احکام دینا - یہ سب صحابہ کی اس خصوصیت کی خبر دیتے ہیں - جو امت میں کسی دوسری جماعت کو حاصل نہیں ہے اور وہ خصوصیت ان کا دینی امتیازی مقام ہے - جسے ہم معیار حق کہتے ہیں - اور آیات و نصوص کے ذریعہ پیدا شدہ عقیدت و محبت کی وجہ سے ان کو اپنا قائد بنانے پر ہم اپنے کو مجبور پاتے ہیں -

گزشتہ صفحات کی گفتگو کے بعد اب ضرورت نہیں رہ جاتی کہ مزید دلائل پیش کئے جائیں کیونکہ اب تک کی تنقیدات اور تنقیحات کے ذیل میں بہت سی آیتیں - احادیث اور علماء کے اقوال آچکے ہیں - جن سے صحابہ کرام کا معیار حق ہونا واضح طور پر ثابت ہوتا ہے ——— اور اس مقالہ کا مقصد یہ ہے بھی نہیں کہ دنیا بھر کے دلائل کے انبار لگا دیئے جائیں - اس موضوع پر ہمارے علماء کی بہت سی کتابیں موجود ہیں - اسلئے انہی

باتوں کو پھر دہرانا خواہ مخواہ کا مضمون کو طول دینا ہوگا، اس مضمون سے ہمارا مقصد صرف اتنا ہے کہ صحابہ کرام کے معیار حق ہونے کے بارے میں ایک واضح تصور سامنے آجائے۔ اور معیار حق ماننے کی راہ میں جو بنیادی رکاوٹیں ہمارے سامنے آتی ہے۔

اور منزل تک پہونچنے میں جو خاردار جھاڑیاں درمیان میں پڑتی ہیں۔ ان کا صفایا کر دیا جائے۔ لیکن اس غرض سے کہ پڑھنے والوں کا ذہن دلائل کی جانب سے تشنہ نہ رہ جائے۔ چند دلائل ہم بھی نقل کرتے ہیں۔ جو اپنے معنیٰ و مراد کے اعتبار سے بالکل واضح ہوں، ہمیں معیار حق منوانے کے لئے خواہ مخواہ کی سخن سازی نہ کرنی پڑے، بلکہ ہم صرف کوشش کریں گے کہ قاری کی انگلی پکڑ کر دلیل کے ہر چہار گوشہ کی سیر کرا دیں۔ اس سیر کا جو نقش ذہن پر ابھرے گا وہ وہی معیار حق کا تصور ہوگا انشاء اللہ۔

ہم اپنے دلائل کو تین شعبوں میں تقسیم کرتے ہیں

پہلا شعبہ تو وہ ہوگا جس میں صرف آیات قرآنی ہوں گی۔ دوسرے شعبہ میں احادیث رسول ہوں گی۔ اور تیسرے شعبے میں صحابہ وتابعین اور دیگر علماء و محدثین کے اقوال ہوں گے۔ ترتیب کے ساتھ یہ تینوں درجات ملاحظہ فرمائیں۔

۱- قرآنی آیات سے ثبوت

۱- پروانۂ رضوان

نبیوں اور رسولوں کے بعد دنیا کی تمام مخلوقات میں صحابہ کرام ہی وہ مقدس اور سعادت مند جماعت ہے۔ جن کی اندرونی کیفیات۔ ایمانی پختگی اور کردار و عمل کی صداقت و دیانت کو دیکھ کر قرآن نے ان کو یہ بار بار اعزاز بخشا کہ

رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ ۔ (الآیۃ)

اللہ ان سے راضی ہوگیا۔ اور یہ اللہ سے راضی ہو گئے۔

غور کیا جائے تو اس سے بڑا اعزاز بندہ کے لئے کچھ نہیں ہو سکتا۔ کتنا پیارا اسلوب قرآن نے اختیار کیا ہے کہ خدا ان سے راضی ہے اور یہ خدا سے راضی ہیں۔ گویا خدا کو بھی ان کی رضا کی ضرورت ہے۔ جو حاصل ہو گئی۔ الفاظ اس منظر کی تعبیر سے عاجز ہیں۔ جو محب و محبوب کی باہمی رضا کا نقشہ پیش کر سکیں۔

جس وقت قرآن ان قدسیوں کے لئے اپنی دائمی خوشنودی کا اعلان کر رہا تھا، اس وقت ایسا نہیں تھا کہ تمام صحابہ کی عمریں اپنے آخری مرحلہ تک پہونچ چکی ہوں۔ بلکہ صحابہ کی اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جن کو ابھی پوری زندگی

کے تلخ و شیریں کا سامنا کرنا تھا۔ وقت و حالات کی ہزاروں گردشوں سے گزرنا تھا۔ بہت ممکن تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمالینے کے بعد ان کی زندگیاں انقلاباتِ زمانہ سے متاثر ہوکر تبدیل ہو جاتیں۔ اور وہ دینی و ایمانی پختگی جو ان کا طرۂ امتیاز تھا وہ اپنی اصلی حالت پر باقی نہیں رہتی ــــ لیکن خدائے عالم الغیوب والشہادۃ جو صحابہ کی آئندہ اور گزشتہ تمام زندگیوں کا نگراں تھا۔ اور زمانہ کے انقلابات، صحابہ کے اختلافات ان کی لغزشیں اور اجتہادی طبع آزمائیاں۔ سب کچھ خدا کے علم میں تھا۔ اس نے اپنے مکمل اعتماد کا اظہار کیا۔ اپنی خوشنودی کا اعلان کیا۔ اور ان کو پروانۂ رضوان عطا کیا۔ جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ صحابہ کی آئندہ زندگی میں کوئی ایسا عمل ان سے صادر نہیں ہوگا۔ جو رضائے خداوندی کے خلاف ہو۔ اور جس میں خدا کی خوشنودی کا تصور، اور آخرت میں خدا کے حضور اپنی پیشی کا خیال ان کے ذہن سے نکل گیا ہو۔

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس آیت کو صحابہ کے معیارِ حق ہونے سے کیا مناسبت ہے؟ اس میں تو صرف خدا کا اپنی رضا کا اعلان ہے۔ جس کا تعلق صحابہ کے فضائل سے ہے نہ کہ معیارِ حق ہونے سے۔

مگر مجھے حیرت ہے کہ جس جماعت کو دنیا اور آخرت کا سب سے بڑا اعزاز اسی رنگ و بو کی دنیا میں دیدیا گیا ہو۔ وہ محض اس کی ذاتی برتری کے لئے ہوگا؟ اور اس سے آگے اس کا کوئی

مقصد نہیں ہوگا؟ ــــــ سوچنے کی بات ہے کہ خدا اپنی تمام مخلوقات میں سے صرف صحابہ ہی سے راضی نہیں ہوا۔ بلکہ ہزاروں مخلوقات۔ جو صحابہ سے پیشتر گذرے اور جو صحابہ کے بعد آئے ان سے وہ خوش ہوا۔ لیکن ان میں کسی بھی فرد کے بارے میں بالیقین یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس سے خدا خوش ہے۔ اور اس کے تمام کام خدا کی خوشی کیلئے ہوتے ہیں۔ ان تمام میں صرف صحابہ کے بارے میں خود خدا نے اعلان کیا کہ ان کی زندگی کی ہر حرکت خدا کی خوشی کے لئے ہوئی ہے۔ اور ہوگی۔ گویا ان کے ہر عمل سے خدا راضی ہے۔

تو کیا وہ کام اور وہ طرز فکر و نظر جس سے خدا کی خوشنودی کا یقینی علم ہو چکا ہے وہ اس قابل نہیں کہ ان پر عمل کیا جائے؟ اور وہ جماعت جس کے سر پر خوشنودی باری کا زریں تاج رکھ دیا گیا ہے۔ اس لائق نہیں کہ ان کی مذہبی حکمرانی ہم قبول کریں؟ اور ان کی زندگی کو ہم اپنی زندگی کے حق و باطل کے لئے معیار بنا لیں؟ ــــــ اس کا انکار وہی کر سکتا ہے جس کے دل میں وہ ایمانی سوز نہ ہو جس کی ہر مؤمن کو ضرورت ہے۔

رضی اللہ عنہم کے اعلان کے بعد آنے والی پوری نسل انسانی کو یہ یقینی خبر دے دی گئی کہ صحابہ کی قدوسی جماعت کا کوئی عمل قابل اشکال نہیں۔ اور ان کی زندگی کے کسی موڑ میں رضائے الٰہی کے سوا کوئی دوسرا پہلو نہیں مل سکتا ــــ پھر کتنے افسوس کی بات ہے کہ صحابہ کے بہت بعد میں آنے والی نسل خدا کے اس اعلان پر اعتماد نہ کرے۔ اور اپنے معمولی علم کے سہارے سے

میدان تحقیق میں یہ کہتی ہوئی کود پڑے، کہ ٹھہرو۔ ابھی ہمیں صحابہ کی زندگیوں کا جائزہ لے لینے دو۔ ان کے طرزِ عمل اور مکاتبِ فکر کی تحقیق کر لینے دو، اور یہ چھان پھٹک لینے دو کہ ان کی زندگی کا کون سا پہلو غلط تھا اور کون سا صحیح ؟ یہ تو کوئی بات نہیں کہ بڑوں کی غلطیوں سے صرف اس لئے درگذر کر دیا جائے کہ وہ بڑے ہیں ـــــــ ٹھیک ہے آپ بڑوں کی غلطیوں کی گرفت کیجیے۔ مگر صرف ان بڑوں کی جن کے بارے میں کوئی یقینی خبر نہیں ہے کہ ان کی پوری زندگی کی ہر حرکت رضائے الٰہی کے مطابق ہوگی ۔ صحابہ کرام کے بارے میں یہ آزمائی کی ضرورت نہیں ہے۔ اسلئے کہ ان کے تقدس کے لئے خدا کا اعلان بہت کافی ہے۔

۲- خیرِ امت

قرآن ایک جگہ صحابہ کی مقدس جماعت سے مخاطب ہو کر کہتا ہے۔

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون
بالمعروف وتنھون عن المنکر ۔ الاٰیۃ
(آل عمران)

تم سب سے بہتر امت ہو جو لوگوں کے لئے نکالے گئے ہو۔ تم بھلائی کا حکم دیتے ہو۔ اور برائی سے روکتے ہو۔

اس آیت میں صحابہ کو خیر امت کا خطاب دیا گیا۔
علامہ ابن صلاح علوم الحدیث میں اس آیت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں

قیل اتفق المفسرون علی انه وارد فی اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم [1]۔

کہا گیا ہے کہ مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے بارے میں نازل ہوئی۔

اس مقام پر حضرت عمرؓ کی تفسیر بڑی قیمتی ہے

اخرج ابن جریر وابن ابی حاتم عن السدی فی قولہ تعالیٰ "کنتم خیر امۃ اخرجت للناس" قال عمر ابن الخطابؓ لو شاء اللّٰہ لقال انتم فکنا کلنا ولکن قال کنتم خاصۃ فی اصحاب محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم ومن صنع مثل صنیعهم کانوا خیر امۃ اخرجت للناس [2]۔

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے سدی کے حوالے سے کنتم خیر امۃ آیت پاک کے بارے میں روایت کی ہے کہ حضرت عمر ابن خطابؓ نے فرمایا کہ اگر اللہ چاہتا تو کہتا "انتم" اس طرح ہم سب اس میں شامل ہو جاتے مگر اللہ نے فرمایا "کنتم" یعنی خاص طور پر رسول اللہ صلی اللہ

---

[1] علوم الحدیث صفحہ ۲۶۴ [2] حیاۃ الصحابہ صفحہ ۲۹ جلد ۱/۱۲۔

علیہ وسلم کے صحابہ مراد ہیں۔ اور وہ لوگ جو ان کی طرح عمل کریں، وہ بھی خیر امت میں داخل ہو جائیں گے۔

ان دونوں تفسیروں سے معلوم ہوا کہ کنتم خیر امۃ میں مخاطب صحابہ کرام ہیں۔

اس آیت میں صحابہ کرام کو بھلائی کا حکم کرنے والا اور برائیوں سے روکنے والا بتایا گیا ہے۔ یعنی ان کا فرض منصبی یہ ہے کہ ان کی حکمرانی انسانوں پر صرف نیکیوں اور بھلائیوں کے باب میں ہو۔ ان کی زبان سے کوئی بول نکلے تو وہ حق کی حمایت کے لئے ان کے حلق سے کوئی آواز گونجے تو اس میں وہ ایمانی سوز ہو جو انسانوں کے قلوب کو گرما دے اور ان کی محنت و مشقت اور جد و جہد کا قبلہ و کعبہ صرف اور صرف حقانیت و صداقت ہو ـــــ ایک طرف بھلائی کو پیدا کرنے اور حق کو زمین پر غالب کرنے کے لئے ان کی یہ جد و جہد ہو، دوسری طرف وہ شر و باطل کے لئے سیف قاطع ہوں ان کی زبان سے اور ان کے کسی عمل سے باطل کو شہ نہ ملتی ہو بلکہ اس کا خاتمہ ہو۔

مقام غور ہے وہ صحابہ جن کی یہ منصبی ذمہ داریاں ہیں یہ ناممکن سی بات ہے کہ انہوں نے اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی کی ہو گی۔ اور ان سے ذرا بھی اس سلسلے میں کوئی فرو گذاشت ہوئی ہو گی۔

فکر کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ جس کو اتنا عظیم منصب خدا کی جانب سے ملا ہو۔ یہ اس کے بغیر نہیں ہو سکتا کہ ان پر یہ

مکمل اعتماد ہو کہ ان کی پوری زندگی ایمانی اور حقانی گذرے گی۔ ان کے ذہن میں حق و باطل کا مکمل اور واضح خاکہ موجود ہے گا۔ وہ ہمیشہ اپنے کردار و عمل سے حق و باطل کے درمیان خط فاصل دیں گے۔ اور ان کی زندگی کے خطوط اس بات کے لئے معیار ہونگے کہ جن راہوں سے وہ گذرے ہیں وہی حق ہیں اور جن راہوں کو وہ ترک فرمارہے ہیں۔ یا بعد میں پیدا ہوئی ہیں۔ وہ باطل اور غلط ہیں۔

اگر یہ مفہوم آیت پاک کا آپکے دماغ میں اتر رہا ہے تو یقین کیجئے کہ یہی معیار حق کا بھی مطلب ہے۔

۳۔ سکینت کا صحابہ پر نزول اور کلمۂ تقویٰ کے صحابہ زیادہ حقدار

قرآن ایک جگہ رسول خدا اور صحابہ کے ساتھ اپنے خصوصی معاملہ کا ذکر کرتا ہوا کہتا ہے۔

فانزل اللہ سکینتہ علی رسولہ وعلی المومنین والزمھم کلمۃ التقویٰ وکانوا احق بہا واھلہا (الآیۃ) (الفتح)

پھر اللہ نے اپنی سکینت۔ رسول اللہ اور مسلمانوں پر نازل فرمائی اور ان کو تقویٰ کی علامت پر جمائے رکھا اور

وہ اس کے زیادہ حقدار اور اہل ہیں۔

یہ سکینت کیا ہے؟ جو رسولِ خدا اور آپ کے زمانہ کے مسلمانوں یعنی صحابہ کرام پر نازل کی گئی۔ یہ اس خاص کیفیت کا نام ہے، جو انسان کے دل میں جب پیدا ہو جاتی ہے تو اسے دنیا کی کسی مصیبت و شر سے گھبراہٹ نہیں ہوتی۔ اور وہ حق کے لئے جو جد وجہد بھی کرتا ہے۔ اس پر ثابت قدم رہتا ہے۔ باطل کا کتنا سخت سے سخت طوفان اٹھے۔ فتنوں کا بڑا سے بڑا سیلاب بہہ پڑے۔ اور شر کا کتنا ہی قوی ہیکل دیو، اپنی تمام تر وحشت سامانیوں کے ساتھ سر ابھارے، مگر سکینت کی شراب پینے والوں کے دل و دماغ پر ان کی ذرا بھی ہیبت نہیں ہوتی وہ ان کے لئے کوہ گراں بن جاتے ہیں اور ان کے سینے ان طوفانوں کے لئے ڈھال اور ان کی زبان ان کے مقابلے میں خنجر ثابت ہوتے ہیں

اسی طرح یہ کلمۂ تقویٰ یعنی "پرہیزگاری کا بول" سے کیا مراد ہے۔ یہ زبان و عمل کی وہ صداقت ہے۔ جس میں کبھی نفاق پیدا نہیں ہو سکتا۔ اور باطل کی آمیزش نہیں ہو سکتی۔ یہ وہ عظیم صفت ہے جو صحابہ کرام کو عنایت کی گئی اور ان کی زندگیوں کے ساتھ اس کو لازم کر دیا گیا۔ وہ ان سے کبھی جدا نہیں ہو سکتی اس لئے کہ وہی اس کے زیادہ حقدار تھے۔ صحابہ کرام کی قلبی استعداد ایسی تھی جو انبیاء اور رسولوں کے بعد تمام انسانوں کی قلبی صلاحیت سے بڑھ کر تھی۔ اسلئے وہی اس منصب کے زیادہ حقدار تھے

آیت پاک کی اس بے غبار وضاحت کے بعد

کس قدر حسرتناک مقام ہوگا کہ اس کے باوجود کسی کے ذہن میں یہ تذبذب ابھرتا ہو کہ ہو سکتا ہے کہ صحابہ کرام سے کسی غلط بات کا صدور ہوگیا ہو۔ اور وہ اسپر تا زندگی قائم بھی رہے ہوں۔ — قرآن کہتا ہے کہ کلمۂ تقویٰ ان کے لئے لازم کر دیا گیا ہے۔ اور دوسرے لوگ اس کے مقابلے میں کہتے ہیں کہ صحابہ سے غلطیوں کا ہونا اور اسپر تا حیات قائم رہنا کوئی مستبعد نہیں بلکہ واقعہ ہے۔ (فیا للعجب)

۴۔ اتباعِ صحابہ رضائے الٰہی کا سبب

قرآن ایک مقام پر ان سعادت مندوں کا ذکر کرتا ہے۔ جنہیں خدا کی رضا حاصل ہے۔ اور ان کے لئے ایسے حسین اور دلکش باغات تیار کئے گئے ہیں۔ جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی، کہتا ہے۔

والسابقون الاوّلون من المهاجرين والانصار والّذين اتبعوهم باحسان رضي الله عنهم ورضوا عنه واعدّ لهم جنّت تجري من تحتها الانهار خلدين فيها ابداً ذلك هو الفوز العظيم ٥۔

اور مہاجرین وانصار میں سے پہلے پہل ایمان لانے والے اور وہ لوگ جنہوں نے ان کی پیروی پورے طور پر

کہ ان سے اللہ راضی ہوگیا۔ اور یہ اللہ سے راضی ہوگئے اور اللہ
نے ان کے لئے ایسے باغات تیار کئے ہیں جن کے نیچے سے
نہریں جاری ہیں یہ اس میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔ اور
یہی سب سے بڑی کامیابی ہے ۔

اس آیتِ کریمہ میں رضوانِ خداوندی جن جن لوگوں کو دیا گیا ہے ان میں ایک تو مہاجرین اور انصار صحابہ ہیں وہ لوگ ہیں جنہوں نے اسلام کی طرف سب سے پہلے دوڑ لگائی اور دوسرے وہ جنہوں نے ان صحابہ کرام کی خلوص واحسان کے ساتھ پیروی کی ان کو سب سے بڑی نعمت یہ دی جائے گی کہ خدا ان سے خوش ہوگا اور وہ خدا سے خوش ہوں گے۔ اور دوسری عظیم نعمت یہ دی جائے گی کہ ان کو جنت کے انعامات سے نوازا جائے گا۔ اور یہ نعمتیں غیر فانی اور دائمی ہوں گی ـــــــ قرآن کہتا ہے کہ انسان کی یہی سب سے بڑی کامیابی ہے ۔

اس آیت نے واضح طور پہ بیان کر دیا کہ صحابہ کی پیروی سے رضائے الہٰی، جنت النعیم اور سب سے بڑی کامیابی حاصل ہوتی ہے ـــــــ کیا وہ شخص جس کی پیروی سے یہ دولتیں حاصل ہوں، وہ معیارِ حق نہیں ہوتا؟ ـــــــ کون ایسا مسلمان ہوگا، جس کو اپنے اسلام سے محبت ہو۔ مگر رضائے خداوندی، جنت النعیم اور بڑی کامیابی کے حاصل کرنے کا وہ خواہش مند نہ ہو۔ اگر یہ خواہش اس کے پاس

ہے تو پھر قرآنی ہدایت کے مطابق صحابہ کی پیروی کو اپنے لئے لازم کرنا ہوگا۔ اور اس پوری قدسی جماعت کو اپنے لئے قائد و پیشوا۔ زندگی کے خیر و شر کے لئے خط تمیز، اور ہزاروں مسائل حیات کے لئے حق و باطل کا معیار ماننا پڑے گا ——— اگر کسی مومن کو یہ چیز حاصل نہیں ہے۔ پھر بھی وہ رضائے الٰہی اور فوز عظیم کا امیدوار ہے۔ تو یہ ایسا ہی ہے کہ پیاس لگی ہو پانی بھی موجود ہو۔ مگر وہ اسے پینے کے لئے تیار نہیں۔ اور پھر بھی سمجھ رہا ہو کہ اس کی پیاس از خود بجھ جائے گی ——— جس طرح ایک اونچی عمارت پر بغیر زینہ کے چڑھنے کا خیال حماقت ہے اسی طرح خدا کی رضا کے حصول کا تصور بغیر صحابہ کی تقلید کے حماقت اور بیوقوفی ہے۔

اور کسی بھی جماعت کی پیروی کی یہ شان اس کے بغیر نہیں ہو سکتی کہ وہ معیار حق ہو۔

۵۔ صحابہ کی ایمانی پختگی اور گناہوں سے نفرت

قرآن صحابہ کی قلبی کیفیت اس طرح بیان کرتا ہے

لکن اللہ حبب الیکم الایمان و زینہ
فی قلوبکم وکرہ الیکم الکفر و الفسوق
والعصیان اولئک ھم الراشدون (حجرات)

لیکن اللہ نے تمہارے نزدیک ایمان کو محبوب بنا دیا ہے
اور اس کو تمہارے دلوں میں آراستہ کر دیا ہے۔ اور تمہارے
لئے کفر، فسق اور عصیان کو ناپسند بنا دیا ہے۔ یہی لوگ ہدایت
یافتہ ہیں۔

اس آیت کا مطلب، اور امام رازی کی تفسیر پیچھے گزر چکی ہے۔ اس میں یہ بتا دیا گیا کہ صحابہ کے دلوں میں ایمان بہت پختگی کے ساتھ جاگزیں تھا۔ اور یہ ایمانی کیفیت ان کے رگ و ریشے میں اس طرح سمائی ہوئی تھی کہ ان کو گناہوں سے خواہ وہ کفر ہو، یا فسق یعنی گناہ کبیرہ ہو یا عصیان یعنی گناہ صغیرہ ہو، ان سب سے ایسی نفرت تھی۔ جیسی کہ انسان کو آگ میں ڈالے جانے سے۔ قرآن کہتا ہے کہ یہی کیفیت رشد و ہدایت کا معیار ہے۔ جو ان صحابہ کے اندر موجود تھی ——— گویا قرآن نے اپنے اسلوب سے یہ بیان کر دیا کہ اس کیفیت کے حصول، اور رشد و ہدایت کی منزل تک رسائی کیلئے تمہیں صحابہ کی جھونپڑیوں کا رُخ کرنا ہوگا، اور ان کے نقوشِ قدم تلاش کرنے ہوں گے۔ جو آج تک غبار سے دھندلے نہیں ہوئے ہیں۔ بلکہ چاند اور سورج کی روشنی کی طرح آج بھی ان کے آثارِ قدم واضح اور روشن ہیں۔ جس کا جی چاہے ان نقوش پر چلے ان کے نشانِ قدم کو اختیار کرلے۔ اور رشد و ہدایت اور کامیابی و کامرانی کی منزل سے ہمکنار ہو ——— اور معیارِ حق کی یہی شان ہوتی ہے۔

۶۔ صحابہ کی راہ سے الگ جہنم کا راستہ ہے

ایک جگہ قرآن جہنم کی راہ کی نشاندہی اس انداز سے کرتا ہے۔

ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین له الهدیٰ و یتبع غیر سبیل المؤمنین نوله ما تولیٰ و نصله جهنم و ساءت مصیرا[۱]۔

اور جو شخص رسول کی مخالفت کرے گا اس کے بعد کہ اس کے لئے حق ظاہر ہو گیا، اور مسلمانوں کا رستہ چھوڑ کر دوسرے رستہ چلا تو ہم اس کو جو کچھ وہ کرتا ہے کرنے دیں گے اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ فرماتے ہیں

معلوم شد کہ ہر کہ خلاف راہ مومناں اختیار نمود مستحق دوزخ شد و مومنین در وقت نزول ایں آیت نبودند مگر صحابہ۔ ۞ ۞ ۞ ۞

معلوم ہوا کہ جس نے مسلمانوں کے راستہ کے خلاف کوئی دوسرا راستہ اختیار کیا وہ دوزخ کا مستحق ہو گیا۔ اور مسلمان اس آیت کے نزول کے وقت صحابہ ہی تھے

---

[۱] تحفۂ اثنا عشریہ صفحہ ۱۲ ۔

اس آیت سے پورے طور پر ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کی راہ کے علاوہ کوئی بھی نئی راہ جہنم کے علاوہ کسی دوسری منزل تک نہیں پہونچا سکتی۔ ــــــ صرف صحابہ کی راہ ایسی راہ ہے جو جنت رسید ہے اور یہی معیار حق کا مطلب ہے کہ جو اس کے مطابق چلے وہ کامیاب اور جنت رسید ہے اور جو اس کے خلاف کوئی دوسری راہ اپنالے وہ جہنم رسید اور ناکام ہے

۷ - اندھیرے سے اجالے کی طرف

قرآن ایک جگہ صحابہ کو خطاب کرتا ہے۔

ھو الذی یصلی علیکم وملائکتہ لیخرجکم من الظلمات الی النور (الآیۃ)

وہ اور اس کے فرشتے تم پر رحمت بھیجتے رہتے ہیں۔
تاکہ حق تعالیٰ تم کو تاریکیوں سے نور کی طرف نکال لائے۔

حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ فرماتے ہیں۔

مخاطب بایں آیت صحابہ اند ہر کہ تابع ایشان شد۔ نیز از ظلمات برآید لے	اس آیت کے مخاطب صحابہ ہیں اور جو بھی ان کی پیروی کرے گا وہ تاریکی سے نکل کر اجالے میں آجائے گا۔

لے تحفۃ اثنا عشریہ صفحہ ۱۲

کیوں کہ ظاہر ہے کہ جو اندھیری رات میں مشعل لیکر نکلے تو جو اس کے پیچھے چل پڑتا ہے وہ بھی اندھیرے سے نجات پا جاتا ہے۔ اور راستہ کا اُجالا اسے بھی حاصل ہو جاتا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کے ہاتھوں میں وہ مشعلِ ہدایت ہے۔ جس کی روشنی پھیل رہی ہے۔ جو بھی ان کی راہ میں ان کے پیچھے ہولے گا وہ بھی اجالے میں آجائے گا اور اجالے میں اپنا سفر کرتے ہوئے وہیں جاکر ٹھہرے گا جہاں جاکر صحابہ کا قافلہ قیام پذیر ہوگا ـــــــ عصرِ حاضر کے طوفانوں اور گھنگھور گھٹاؤں میں کس کی آنکھ ہے جس کو روشنی کی ضرورت نہ ہو اور کون انسان ہے جس کو آشیانے کی تلاش نہ ہو، پھر تعجب ہے ان بہادروں پر جو جدید طوفانوں کے درمیان کھڑے ہیں زہریلے جھونکے چل رہے ہیں۔ ان کے قدم میں لغزش اور لرزش ہے۔ ان کے جسم کانپ رہے ہیں۔ دماغ ماؤف ہو رہے ہیں۔ پھر بھی انہیں روشنی کی طلب نہیں ہوتی۔ اور اُجالے کی تلاش نہیں ہوتی جو بہت زیادہ دور نہیں۔ ان کے سامنے ہی ان کا انتظار کر رہی ہے۔

۸- رشد و ہدایت صحابہ کے نقوش میں

قرآن میں جابجا صحابہ کرام کے بارے میں کہا گیا ہے۔

واولٰئک ھم المفلحون ۝ اور وہی لوگ کامیاب ہیں۔

واولٰئک ھم الراشدون اور وہی لوگ راہِ راست پر ہیں

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث فرماتے ہیں۔

لاشک ان تابع المفلح مفلح۔

کوئی شک نہیں کہ کامیاب کا تابع بھی کامیاب ہے۔

وتابع الراشد راشد۔ [1]

اور ہدایت یافتہ کا تابع بھی ہدایت یاب ہے۔

پھر حیرت ہے ان جیالوں پر جو ہدایت وکامیابی کی امید تو وابستہ کئے ہوتے ہیں مگر صحابہ کے نقوشِ ہدایت پر چلنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

۹۔ قیامت کے دن کام آنیوالا نور

ایک جگہ قرآن قیامت کے دن صحابہ کے ساتھ خصوصی سلوک کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتا ہے۔

یوم لایخزی اللّٰہ النبی والذین آمنوا معہ نورھم یسعیٰ بین ایدیھم وبایمانھم

جس دن اللہ نبی اور ان کے ساتھ ایمان لانیوالوں کو رسوا نہیں کرے گا۔ ان کا نور ان کے سامنے اور ان کے دائیں دوڑتا پھرے گا۔

---

[1] تحفہ اثنا عشریہ صفحہ ۱۲

یہ خدا کا وہ نور ہے جو قیامت کے روز صحابہ کو کام آئے گا۔ یہ نور صرف عہد نبوی ہی تک صحابہ کے پاس نہیں رہا بلکہ وفات نبوی کے بعد بھی یہ نور مسلسل رہا۔ ورنہ اگر وہ نور ختم ہو چکا ہوتا تو پھر قیامت کے دن وہ کیا کام آتا۔ حضرت شاہ عبد العزیز محدث اسی حقیقت کو اپنے لفظوں میں اس طرح بیان کرتے ہیں۔

دلالت می کند ایشاں را در آخرت ہیچ عذاب نخواہد شد و بعد از فوت پیغمبر نور ایشاں ضبط و زائل نہ خواہد شد والا نور ضبط شدہ و زوال پذیرفتہ روز قیامت چہ قسم بکار ایشاں می آید۔[ؔ]

یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ ان لوگوں کو آخرت میں کچھ عذاب نہ ہوگا۔ اور پیغمبر علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کا نور ختم نہیں ہوگا۔ اور نہ زائل شدہ اور لٹا ہوا نور قیامت کے روز ان کے کیسے کام آتا۔

اس آیت کریمہ کا واضح مقصد یہ ہے کہ قیامت کے روز کام آنے والا، اور پل صراط کی اندھیریوں میں رہنمائی کرنے والا نور صحابہ کرام کا نور ہے، جسے اپنی منزل طے کرنی ہو۔ اور قیامت کے روز کام آنے والا اجالا حاصل کرنا ہو۔ اسے چاہیئے کہ صحابہ کی زندگی کو اپنالے۔ ورنہ صحابہ سے دور رہ کر یہ آرزو پوری نہیں ہو سکتی۔

ع ایں خیال است و محال است و جنوں

اس قسم کی اور بھی بہت سی آیات ہیں۔ جن سے

ؔ تحفہ اثنا عشریہ ص۳۳۰۔

صحابہ کرام کا معیار حق ہونا ثابت ہوتا ہے۔ مگر مقصود ثبوت ہے دلائل کے انبار لگانا مقصود نہیں ہے۔ حق پرست کے لئے بطور ثبوت ایک دلیل بھی کافی ہے۔ اور غیر حق پرست کے لئے دفتر کا دفتر بیکار ہے۔

جب قرآن سے ثبوت فراہم ہو گیا تو مناسب ہے کہ خود اس پیغمبر انسانیت ؐ کی زبان سے بھی کچھ سن لیا جائے۔ جس کے ساتھیوں کے بارے میں یہ ساری بحث ہو رہی ہے۔ آپ کی بارگاہ سے اپنے صحابہ کے بارے میں کیا فیصلہ ہوتا ہے اس کے لئے چند احادیث کا پیش کر دینا بہت مفید ہوگا۔

۲- احادیث رسول سے ثبوت

۱- صحابہ نجوم ھدایت:-

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مھما اوتیتم من کتاب اللہ فالعمل بہ لا عذر لاحدکم فی ترکہ فان لم یکن فی کتاب اللہ فسنۃ منی ماضیۃ فان لم یکن منی سنۃ ماضیۃ فما قال اصحابی۔ ان اصحابی بمنزلۃ النجوم فی السماء۔ فبایھا اخذتم اھتدیتم واختلاف اصحابی لکم رحمۃ لہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تمہیں کتاب اللہ کا کوئی حکم ملے۔ تو اس پر عمل کرنا لازم ہے۔ اس کو چھوڑنے کے لئے کوئی عذر نہیں ہونا چاہیئے۔ پھر اگر کتاب اللہ میں نہ ملے تو میری سنت ماضیہ کو دیکھو۔ پھر اگر میری سنت میں بھی وہ حکم نہ ملے۔ تو جو کچھ میرے صحابہ نے کہا اس پر عمل کرو۔ بیشک میرے صحابہ آسمان کے ستاروں کے قائم مقام ہیں۔ جس کو بھی تم پکڑ لوگے ہدایت یاب ہو جاؤ گے

لہ الکفایہ صفحہ ۱۲

اور جان لو کہ میرے صحابہ کا اختلاف تمہارے لئے رحمت ہے ۔

اس روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو چند ہدایتیں دے رہے ہیں تاکہ امت آئندہ کے مشکلات کے وقت پریشان نہ ہو، بلکہ یہ ہدایتیں ان کے لئے مشعل راہ کا کام دیں۔ حضور اپنی امت کو ہدایت دے رہے ہیں کہ جب تمہیں اپنی زندگی کے کسی مرحلے میں کوئی مسئلہ درپیش ہو اور اسکے حل کے لئے کسی رہنمائی کی ضرورت محسوس ہو تو سب سے پہلے تمہارا قدم کتاب اللہ کی اس منزل کی طرف اٹھنا چاہیئے، جہاں خدا کی آیات روشنی لئے تمہاری توجہ کا انتظار کر رہی ہے۔ وہاں سے اگر تمہیں رہنمائی مل جاتی ہے تو اسپر ضرور بالضرور عمل کرنا۔ اس سے گریز کی راہ مت اختیار کرنا، کسی حیلہ اور مصنوعی عذر کا سہارا نہ لینا۔

لیکن اگر کتاب اللہ میں اس بارے میں کوئی حکم نہ ملے، تو میری سنتیں تمہاری ہدایت و رہنمائی کے لئے موجود ہیں۔ میری سنتوں کے سامنے اپنی مشکلات رکھو، اور جو کچھ تمہیں یہاں سے رہنمائی ملے۔ اسپر عمل کرو ــــ لیکن سنت ماضیہ سے بھی اگر تمہیں محرومی ہو جائے، تو پھر میرے صحابہ کے اقوال کی طرف نگاہ ڈالنا، میرے صحابہ کی مثال آسمان کے ستاروں کی ہے۔ جس طرح آسمانی ستارے اپنے اندر روشنی رکھتے ہیں۔ اسی طرح میرے صحابہ بھی اپنی روشنی رکھتے ہیں ــــــ اور جس طرح ستارے اپنے رنگ و نور، گردش و رفتار اور خاصیات کے اعتبار سے

مختلف ہیں۔ اور یہ اختلاف تمہارے لئے رحمت ہے۔ اسی طرح صحابہ بھی اپنی نورانیت اور روحانیت خصوصیات اور کمالات کے اعتبار سے مختلف ہوں گے۔ ان کے درمیان جنگ وجدال بھی ہوگی۔ قتل وخون کی داستان بھی چھڑے گی۔ نظریاتی اختلافات بھی ہوں گے مگر تم ان سے بدگمان نہ ہونا۔ ان کا اختلاف تمہارے لئے رحمت ثابت ہوگا۔ ایک ایک مسئلہ کے مختلف پہلو پیدا کرے گا۔ اور ہر پہلو حق ہوگا۔ تم جس پہلو کو بھی اختیار کروگے کامیاب رہوگے۔ اس لئے ان کے اختلاف سے یہ نہ سمجھ لینا کہ اب یہ حق کے لئے معیار نہ رہے یہ اب بھی معیار حق ہیں۔ اور ہمیشہ معیار حق رہیں گے۔ معیار حق کا منصب بھی کسی انسان نے ان کو نہیں دیا۔ خدائے کائنات نے دیا ہے اور اختلافات کا پیدا کرنیوالا بھی کوئی مخلوق نہیں ہے۔ بلکہ وہی خالق کائنات ہے۔ ایک طرف خدا کا ان صحابہ کو معیار حق قرار دینا۔ اور دوسری طرف اختلافات کا ان سے وابستہ کردینا یہ اس تکوینی فیصلہ کو بتاتا ہے۔ جو ان صحابہ کے بارے میں کیا جاچکا تھا اور بغیر مصلحت کے نہیں کیا گیا تھا۔ بلکہ امت اور پوری انسانیت کے لئے وسعتوں کی مختلف راہیں کھولنے کے لئے کیا گیا تھا ——— یہ حدیث پاک واضح طور پر صحابہ کے معیار حق ہونے کے لئے ثبوت ہے۔

۲- صحابہ کا آشیانہ، آشیانۂ امن

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث نقل کرتے ہیں۔

تفترق امتی علی ثلث وسبعین ملّة کلّهم فی النار الا ملّة واحدة قیل من هم یارسول اللہ قال ما انا علیه و اصحابی ۔

میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو گی۔ ان میں کا ہر ایک جہنم میں جائے گا۔ سوائے ایک فرقے کے۔ لوگوں نے پوچھا کہ وہ کون لوگ ہوں گے یا رسول اللہ! فرمایا کہ جو میرے طریقے اور میرے صحابہ کے طریقے پر ہوں گے۔

لہ چونکہ یہ حدیث معیارِ حق کے ثبوت کے لئے سب سے زیادہ واضح ہے۔ اس لئے بعض لوگ اس حدیث کو کمزور کرنے کے درپے ہو گئے۔ اور یہ ثابت کرنے کی کوشش ہونے لگی کہ یہ متکلم فیہ روایت ہے۔ لیکن یہ خیال سراسر غلط ہے۔ امام ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ، ابن عدی، حاکم، اور ابن حبان وغیرہ محدثین نے اس حدیث کی روایت کی ہے۔ اور اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ امام ترمذی نے اس حدیث کی روایت کرتے ہوئے اس میں چار صحابہ کا نام ذکر کیا ہے۔ جس میں حضرت ابوہریرۃ رضؓ کی حدیث تفصیل سے پیش کی ہے۔ اور اس کو حسن صحیح کہا ہے۔ یعنی حضرت ابوہریرۃ کی روایت سے آنے والی حدیث بالکل صحیح ہے۔ تاہم صرف اس وجہ سے متوجہ ہو

اس حدیث کی مراد بالکل واضح ہے ــــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت میں ہونے والی فرقہ بندی کی خبر دے رہے ہیں۔ اور فرما رہے ہیں کہ تمام فرقے جہنمی ہوں گے صرف ایک فرقہ ایسا ہوگا جو جہنم سے نجات پائے گا، اور حق کی سیدھی راہ اسے ملے گی۔ لوگوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ وہ کون لوگ ہوں گے۔ جو اس افتراق و انتشار کے عہد میں کامیاب اور نجات یافتہ ہوں گے؟ ــــــ اس وقت حضورؐ اگر چاہتے تو چند اشخاص کے نام بتا سکتے تھے، کہ فلاں فلاں لوگ ان میں کامیاب ہونگے، مگر آپ نے اشخاص و افراد کے تعین کے بجائے ایک ضابطہ بیان فرمایا کہ نجات صرف وہی لوگ پائیں گے جو میرے طریقے اور میرے صحابہ کے طریقے پر چلیں گے۔ اس کا لازمی مطلب یہ ہے کہ جس نے میری راہ ترک کی یا میرے صحابہ کی راہ ترک کی۔ جہنم کی آگ کے علاوہ اس کا کہیں ٹھکانہ نہ ہوگا۔

بقیہ حاشیہ گذشتہ:۔ امام ترمذی کے پیش کردہ ناموں پر گیارہ ناموں کا اضافہ کیا ہے۔ گویا اس حدیث کے پندرہ صحابہ راوی ہیں ــــ علامہ سخاوی نے بھی مقاصد حسنہ میں اس حدیث کی صحت کو تسلیم کیا ہے ــــ امام شاطبی نے بھی حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے الاعتصام ص۱۶۲ و ص۱۸۱ و ص۲۰۱ جلد دوم اور موافقات ص۲۹۸ ج۴، امام حاکم نے بھی اس حدیث کو مستدرک میں روایت کیا ہے۔ دیکھئے مستدرک حاکم ص۱۲۸ ج۱ و ص۱۲۹ ج۱۔ علامہ ذہبی اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ مسلم کی شرط کے مطابق ہے۔

اسی طرح اس حدیث کو دوسرے صحابہ کے حوالے سے عقیلی، دارقطنی، حافظ [illegible]

علامہ ابن عبدالبر سلف کا دستور یہ بتاتے ہیں کہ ہر دینی معاملہ میں ان کی تلاش و جستجو یہی رہا کرتی تھی کہ صحابہ کے نقوشِ قدم انہیں مل جائیں۔ اگر تمام صحابہ کی رائے ایک ہوتی تو اس کو اختیار فرمالیتے۔ اور اگر صحابہ کی رائیں مختلف ہوتیں تو انہی رایوں میں سے کسی رائے کا انتخاب فرمالیتے تھے [۱]۔

علامہ عبدالوہاب شعرانی نے امام اعظم ابوحنیفہ رح کا بھی یہی معمول نقل کیا ہے [۲]۔

ان سب بزرگوں کے سامنے یہ حدیث تھی کہ ما انا علیہ و اصحابی پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ حضور تو صحابہ کے نقوشِ قدم پر چلنے کی تاکید کریں اور انہیں اس کی پرواہ نہ ہو۔ اسی لئے انہوں نے اس حکم پر عمل کرنے کی پوری کوشش کی وہ دیکھتے تھے کہ صحابہ کسی مسئلہ میں متفق ہیں تو کوئی بات ہی نہیں۔ اور اگر ان کی رایوں میں اختلاف ہے تو انہی کی رایوں میں سے کسی رائے کو اختیار کر لیتے تھے۔ ان سے خروج نہیں کرتے تھے۔ اور یہی صحابہ کے معیارِ حق ہونیکا مطلب ہے۔

بعض لوگ بہت ہی مضحکہ انگیز بات کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ما انا علیہ (جس میں ہوں) اس میں بلاشبہ

بقیہ صفحہ گزشتہ :- اور الدین بیہقی وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ مزید تفصیل کیلئے دیکھئے ترجمان السنہ ص ۱/۲۲۵

اس مختصر سی گفتگو سے یہ ثابت ہوگیا کہ اس حدیث کی صحت یقینی ہے ۱۲

[۱] جامع بیان العلم ص ۲/۲۹ ۱۲ [۲] میزان کبریٰ ص ۱/۶۲ ۱۲

معیار حق کا بیان ہے۔ لیکن (والاصحابی) (جس پر میرے صحابہ ہیں)
اس میں معیار حق کا بیان نہیں۔ بلکہ برسرحق ہونیکا بیان ہے۔
مگر افسوس ہے ایسے لوگوں کے علم پر، اگر دونوں کے
حکم میں یکسانیت نہ ہو تو پھر عطف کرنے کا فائدہ کیا ہوگا۔ عطف
کا مطلب ہی یہ ہے کہ جو حکم معطوف علیہ میں بیان کیا گیا ہے۔
وہی حکم معطوف میں بھی بیان کیا جائے، پھر جب ما انا علیہ
میں معیار حق کا بیان ہے تو واصحابی میں بھی معیار حق ہی کا
بیان ہوگا۔ نہ کہ صرف برسرحق ہونے کا۔

دوسری غور طلب بات یہ ہے کہ صحابہ کو برسرحق
بتانے کا یہ کیا مقام ہے۔ یہاں تو عہد انتشار میں برسرحق لوگوں
کا بیان ہو رہا ہے کہ برسرحق وہ لوگ ہوں گے، جو میرے اور
صحابہ کے طریق پر چلیں گے، اگر صحابہ بھی صرف برسرحق تھے، تو
بطور معیار ان کا ذکر کیوں کیا گیا؟ معیار حق کو بیان کرنے کے
لئے اس سے زیادہ واضح اسلوب نہیں اختیار کیا جا سکتا۔ جو نبی
کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی زبان سے ادا فرمایا ہے۔

اسی حدیث کی روشنی میں نجات پانے والے برحق
فرقہ کو اہل سنت والجماعت کہا جاتا ہے۔ یعنی ان کے نزدیک
سنت نبوی اور جماعت صحابہ دونوں معیار حق ہیں ـــــ اس
روایت میں کتاب اللہ کا تذکرہ نہیں کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم
ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کو اندازہ ہو گیا تھا کہ کتاب اللہ کے معیار حق
ہونے میں کوئی اختلاف امت میں نہیں ہوگا۔ اختلاف ہو سکتا ہے

تو میری سنت اور صحابہ کی سنت کی معیاریت کے بارے میں ہو سکتا ہے، اسی لئے آپ نے خاص طور پر ان دونوں پر تنبیہ فرمائی، چنانچہ تاریخ نے آپ کے اس اندازہ کی مکمل تصدیق کردی عہد قدیم میں بھی، اور ماضی قریب میں بھی ایسے فرقے پیدا ہوئے جو اپنے کو اہل قرآن کہتے تھے۔ قرآن کے ساتھ اہل لگانے کا مطلب یہ نہ تھا کہ صرف وہی حضرات قرآن کو معیار مانتے ہیں۔ دوسرے مسلمان قرآن کو نہیں مانتے، بلکہ ان کا مقصد یہ تھا کہ ہم صرف قرآن والے ہیں، قرآن سے نیچے کسی کو معیار حق نہیں مانتے۔ ان حضرات نے حدیث کو بھی معیار حق ماننے سے انکار کر دیا۔ چہ جائیکہ آثارِ صحابہ، اس کے بعد جب اس پر امت کی طرف سے شدید ردعمل ہوا، تو ایک دوسرا فرقہ پیدا ہوا۔ اس نے اپنا نام رکھا اہلحدیث، یعنی کتاب اللہ کے ساتھ ہم صرف حدیث رسول کو معیار حق مانتے ہیں۔ رسول خدا سے نیچے کسی کو معیار حق نہیں مانتے چنانچہ اس طبقہ نے تمام ان مسائل کا انکار کیا۔ جو صحابہ کے خیرالقرون میں طے پائے، حتیٰ کہ صحابہ کے اجماع تک کا انکار کر دیا۔ مثلاً رمضان میں بیس رکعت تراویح کو سنت عمر قرار دیا۔ ایک مجلس کی تین طلاق کو تین ماننے کے لیے آمادہ نہ ہوئے اور جمعہ کی اذان ثانی کو سنت عثمانی قرار دیا وغیرہ۔ غرض ان کے نزدیک رسول خدا تو معیار حق ہیں۔ مگر صحابہ معیار حق نہیں ہیں ____ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام فرقوں پر شدید ضرب لگائی اور سدباب کے طور پر آج سے چودہ سو سال پیشتر اسی وقت فرما دیا

جبکہ یہ فرقے وجود میں بھی نہیں آئے تھے کہ وہ فرقہ کامیاب ہے۔ جو صرف قرآن کو معیارِ حق مانے۔ اور نہ وہ فرقہ کامیاب ہے جو صرف کتاب و سنت کو معیارِ حق قرار دے۔ یہ دونوں گمراہ ہیں۔ کامیاب اور جنت میں جانے والا صرف وہ فرقہ ہے۔ جو کتاب اللہ کے ساتھ سنتِ نبوی اور جماعتِ صحابہ کو بھی معیارِ حق مانے۔ اس روایت میں کتنی واضح عبرت ہے ان حضرات کے لئے جو صحابہ کے معیارِ حق ہونے کے بارے میں چوں وچرا کرتے ہیں اور ان کی تقلید کیا معنی؟ ان پر تنقید کی بوچھار تک کو جائز سمجھتے ہیں۔

۳- خدا کی پسندیدہ جماعت، صحابہ

بزار نے اپنی مسند میں حضرت جابر کی روایت صحیح سند کے ساتھ ذکر کی ہے۔

قال قال رسول الله صلی الله علیہ وسلم ان الله اختار اصحابی علی الثقلین سوی النبیین و المرسلین لہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک اللہ نے میرے صحابہ کو تمام جن وانس پر چُن لیا ہے۔ نبیوں اور رسولوں کو چھوڑ کر۔

لہ الاصابۃ صـ۲۱ ج ۱

اس میں اس کا ثبوت ہے کہ صحابہ خدا کی انتخاب کردہ اور چنی ہوئی جماعت ہے اور اس میں حکمت سوائے اس کے اور کیا ہوسکتی ہے کہ ان کو ایک امتیازی اعزاز دینا چاہتا ہے اور وہ اعزاز معیار حق کا عظیم منصب ہے ـــــ خدا کے انتخاب میں غلطی کا امکان نہیں ہے وہ اگلے پچھلے تمام احوال سے یکساں واقف ہے۔ اس کا چننا اس بات کی دلالت ہے کہ ان صحابہ کی زندگیاں تقدس و عظمت کا پیکر ثابت ہوں گی اور ان کی پیروی و تقلید رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہوگی۔

۴۔ صحابہ ضلالت کی شب تاریک میں قندیل ہدایت

حضرت عمر ابن خطابؓ کی روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

اصحابی کالنجوم فبایہم اقتدیتم اھتدیتم[1]

میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں۔ پس ان میں سے جن کی بھی اقتدا کروگے ہدایت پاجاؤگے۔

اس روایت میں حضور علیہ السلام کا صحابہ کو ستارہ کہنا

---

[1] مشکوٰۃ صفحہ ۱۲

کے ساتھ تشبیہ دینا، اور پھر یہ فرمایا کہ "تم ان میں سے جس کی بھی پیروی کروگے کامیاب ہوگے۔" یہ واضح دلیل ہے کہ جماعتِ صحابہ کا ہر ہر فرد، بندہ کو خدا تک پہونچانے، اور ضلالت وگمراہی کے دلدل سے نکال کر ہدایت کی روشنی میں لانے کے لائق ہے۔ اور ان میں کا ہر ایک فرحق وہدایت کے لئے معیار ہے جس کی راہ پر بھی انسان چل پڑا، کامیابی کے علاوہ کسی دوسری منزل پر وہ نہیں پہونچ سکتا انشاء اللہ۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک اعلان ہے۔ جن کی گفتگو کا چشمہ وحیٔ الٰہی ہے۔

۵۔ خلفاء راشدین کی سنّت

حضور علیہ السلام اپنی زندگی ہی میں آنے والے خطرات کی پیش گوئی فرماتے ہیں۔ اور ان خطرات کے وقت امت کو کن اصول پر چلنا چاہیے۔ اس کی طرف نہایت بلیغ، مختصر مگر جامع الفاظ میں رہنمائی فرماتے ہیں۔

انه من یعیش منکم فیریٰ اختلافا کثیراً
فعلیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین عضوا
علیها بالنواجذ - (الحدیث) له -

تم میں سے جو زندہ رہے گا، وہ بہت سے اختلافات

له بخاری ص۱۰۸ ج۲، ترمذی ص۹۲ ج۲، ابن ماجہ ص۵ ابوداؤد ص۲۷۹ ج۲، مسند احمد ص۱۲۷ ج۲، مسند دارمی ص۲۹ - مستدرک ص۹۵ ج۱، مشکوٰۃ ص۳۰ ۱۲

دیکھے گا۔ اس وقت تم پر میری سنت اور خلفاء راشدین کی سنت لازم ہے۔ ان کو دانتوں سے پکڑ لو۔

اس روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اختلافات کی خبر دی ہے۔ جو عہد نبوی کے بعد امت کو پیش آنے والے تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کوئی ایک نوعیت کا اختلاف نہیں ہوگا بلکہ اختلافات کے بہت سے طوفان اٹھیں گے۔ اور پوری امت مسلمہ کو اپنی زد میں لے لینا چاہیں گے اس وقت رسول پاک ﷺ کی ہدایت یہ ہے کہ سنتِ رسول، اور سنتِ صحابہ کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لو، ڈاڑھوں سے پکڑنے کا مطلب یہی ہے۔ کہ اگرچہ دوسری طاقتیں تمہیں جادۂ نبوت اور جادۂ صحابہ سے ہٹانے کی کوشش کریں گی۔ لیکن تم ان سے الگ نہ ہونا۔

یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اختلافات کے وقت حق و باطل کا معیار بیان فرما رہے ہیں کہ جب اختلافات کی آندھیاں چلیں گی۔ سینکڑوں جماعتیں پیدا ہوجائیں گی اور ہر فریق کا یہ دعویٰ ہوگا کہ ہم ہی حق پر ہیں۔ اور ہمارا مخالف غلطی پر ہے ـــــ حق و باطل کی اس کشمکش کے وقت۔ کسی بھی فریق کی حقانیت کا معیار سنتِ رسول اور سنتِ صحابہ ہوگی۔ جس فریق کا طرزِ عمل سنتِ نبوی اور سنتِ صحابہ کے مطابق ہوگا اور جس کا دینی و ایمانی سفر ان اسلامی خطوط پر ہوگا۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ سے ثابت ہیں۔ صرف وہی کامیاب ہوگا ـــــ اس موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنت

اور صحابہ کی سنت کو یکساں طور پر معیار حق قرار دیا۔ اور دونوں کے درمیان ظاہری طور پر کوئی فرق نہیں فرمایا کہ سنتِ رسول تو اصل معیار حق ہے۔ اور رہی سنتِ صحابہ تو اس کو خدا اور رسول کے اسی معیار پہ جانچو، جو کتاب وسنت سے صحیح طور پر ثابت ہے۔ صحابہ کی پیش کردہ جو چیز کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ میں مل جائے وہ تو قابل تسلیم ہو۔ اور جو چیز کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں نہ مل سکے اس میں انسان خود مختار ہے کہ جو چاہے عمل کرے۔ اور جس طرح کا چاہے نظریہ قائم کرے صحابہ میں اگر اختلاف ہے تو اس کو یہ بھی اختیار ہے کہ صحابہ کی مختلف رایوں سے ہٹ کر کسی نئے قول کی بنیاد ڈالدے ____ یہ تمام تفصیلات جو اس زمانہ کی نئی پود پیش کر رہی ہے۔ کچھ بھی حدیثِ پاک میں نہیں ملتیں۔ اس حدیث سے تو سنتِ رسول اور سنتِ صحابہ کا یکساں طور پر معیار حق ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلے میں اتنی شدت اختیار کی ہے کہ فرمایا کہ تم پر ان دونوں معیار حق سے وابستہ ہو جانا ضروری ہے۔ اس سے اس طرح چمٹ جاؤ اور چپک جاؤ جیسے کہ تم اس کو اپنے دانتوں سے پکڑے ہوئے ہو اور اس کو چھوڑنے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہو۔ حالانکہ زمانہ کی بھرپور طاقتیں تمہارا جسم پکڑ کر جھنجھوڑ رہی ہیں۔ اور تمہارا پاؤں پکڑ کر کھینچ رہی ہیں۔

معیار حق کا یہی وہ مطلب ہے جس کے اسلاف

قائل تھے، اور آج بھی علماء دیوبند کا یہی مسلک ہے۔ اس سے پہلے امام اعظم، امام شافعی، امام مالک، امام احمد اور دیگر محققین اسلام کے بارے میں گذر چکا ہے کہ وہ صحابہ کے اقوال سے ایک لمحہ بھی خروج کے لئے تیار نہیں تھے۔ اور انہوں نے اپنے اصول و قواعد میں باقاعدہ اس کو بھی جگہ دی تھی کہ صحابہ کے اقوال اگر مختلف نہیں تب تو ان سے اختلاف کی کوئی گنجائش ہی نہیں لیکن اگر ان کے اقوال مختلف ہیں تو بھی ان کے اقوال سے الگ ہو کر کسی نئے قول کو پیدا کرنا جائز نہیں ہے ——
یہ اصول اور ضابطہ ان اسلاف نے بنایا تھا۔ جن کو خیر القرون کا زمانہ میسر ہوا تھا۔ جن کی آنکھوں نے صحابہ اور تابعین کی مقدس زندگیاں دیکھی تھیں۔ عہد رسالت سے قرب کی وجہ سے علم کا حاصل کرنا بہت آسان تھا۔ اور انہوں نے وہ تبحر علمی اور فکری گہرائی حاصل کی تھی۔ جو بعد والوں کے لئے ناممکن الحصول بن گئی۔ یہ اکابر تو صحابہ کے تقدسِ حیات کے قائل ہوں۔ ان کے نقوش پا کو اپنے لئے مشعلِ راہ سمجھتے ہوں۔ ان کی راہ سے الگ راہ بنانے کو بہت بڑا جرم سمجھتے ہوں ——
مگر آج جب کہ اس دین پر چودہ صدیاں بیت چکی ہیں ——
مسلمانوں کا درایتی ذہن روایتی ذہن میں تبدیل ہو چکا ہے۔ زمانہ کی ہزاروں گردشوں نے ان کی دینی فکر کو کمزور کر دیا ہے اور اسلاف کے طویل سلسلہ کے علاوہ دین کو حاصل کرنیکا کوئی دوسرا راستہ موجود نہیں ہے۔ اس کے باوجود کچھ لوگوں

کے منہ سے یہ آواز نکل رہی ہے کہ ہمارے لئے کتابِ سنت کی روشنی کافی ہے۔ صحابہ کے نقوشِ پا اور آثارِ قدم کی ہمیں بالکل ضرورت نہیں ہے۔ ہماری بہت کرم فرمائی یہ ہوگی۔ کہ ان تمام صحابہ کو برسرِحق قرار دیں۔ مگر ان کو معیارِ حق قرار دینا ہمارے حلق سے نیچے نہیں اترتا۔ اس لئے کہ ان کے درمیان اختلافات ہوئے۔

سوال یہ ہے کہ جب تمام صحابہ کو برسرِحق ان اختلافات کے باوجود قرار دیا جاسکتا ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسلسل تاکید کے بعد ان کو معیارِحق کیوں کر قرار نہیں دیا جاسکتا؟ اگر اختلافات کی دحشت، اور نظریاتی جنگ کی شدت ان کو حقانیت کے مقامِ بلند سے نیچے نہیں اتارتی، تو پھر یہی اختلافات ان کو حقانیت کے معیار سے نیچے کیوں اتارنے لگے؟ ان اختلافات ومشاجرات کا اعتبار کیا جانے لگے تو صحیح طور پر ان میں سے ہر ایک کو برسرِحق ماننا بھی درست نہیں ہو سکتا۔ مگر افسوس ہے ان ذہنوں پر جو معیارِ حق اور برسرِحق کی ناقابلِ فہم تقسیم کرتے ہیں۔ اور خدا اور رسول کی عطا کردہ پوزیشن صحابہ سے چھیننے کی کوشش کرتے ہیں۔ (فیا للعجب)

۶- صحابہ تنقید سے بالاتر

ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی

مشہور روایت ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ اللہ فی اصحابی لاتتخذوھم غرضا من بعدی فمن احبھم فبحبی احبھم ومن ابغضھم فببغضی ابغضھم ومن آذاھم فقد آذانی الحدیث ؎

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو ان کو میرے بعد نشانہ نہ بنانا۔ اسلئے کہ جس نے ان سے محبت کی درحقیقت مجھ سے محبت کی وجہ سے اس نے ان سے محبت کی، جس نے ان سے بغض رکھا درحقیقت مجھ سے بغض رکھنے کی وجہ سے اس نے ان سے بغض رکھا، اور جس نے ان کو تکلیف پہونچائی درحقیقت اس نے مجھے تکلیف پہونچائی۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے سلسلے میں کسی بھی قسم کے تبصرے کی اجازت نہیں دے رہے ہیں۔ اسپر خدا کا خوف دلاتے ہیں کہ ان کو کسی بھی قسم کا نشانہ نہ بنانا۔ "غرضا" نکرہ استعمال ہوا ہے۔ عربی داں حضرات اچھی طرح واقف ہیں کہ نکرہ میں عموم ہوتا ہے، یعنی مطلب یہ ہوگا کہ صحابہ کرام کو کسی بھی طرح کا نشانہ تنقید بنانا، درحقیقت اس تجویز سے لاپرواہ ہونا

؎ مشکوۃ شریف ص۵۵۴

ہے۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت پرسوز انداز میں اپنی امت کو فرما رہے ہیں۔ اس میں کوئی تخصیص نہیں ہے کہ تنقید اس لئے صحابہ پر جائز ہے کہ ان کی نیکیوں کو غلطیوں سے الگ کیا جاتے، اور ان کی زندگی کو چھان پرکھ کر دیکھا جائے کہ ان قدسیوں کی زندگی کا کون سا پہلو درست ہے۔ اور کون سا کمزور ہے — اور صرف وہی تنقید جائز ہے جو توہین آمیز ہو — حدیث پاک نے مطلق طور پر بغیر کسی قید کے ہر طرح کی تنقید سے صحابہ کی جماعت کو بالاتر قرار دیا — اور اپنے بعد کسی بھی طرح کی تنقید کو ان کے لئے جائز نہ رکھا، حضور علیہ السلام نے صرف اتنا بھی فرمایا ہوتا کہ لاتتخذوھم غرضاً من بعدی اور اس سے آگے کچھ بھی نہ فرماتے، تو بھی تنقید صحابہ درست نہ ہونے کے لئے کافی تھا — مگر حضور اپنے اس حکم میں شدت کا زور بھرتے ہیں اور اپنی امت کو، اور بعد میں آنے والی نسل کو اپنی محبت کا واسطہ دیتے ہیں کہ صحابہ سے محبت، اور مجھ سے محبت، یا صحابہ سے دشمنی اور مجھ سے دشمنی الگ الگ چیز نہیں ہے۔ دونوں ایک ہی ہیں۔ جس نے صحابہ کا حق محبت ادا کیا، اور اپنے دل کے نہاں خانے میں ان کی عظمت و تقدس کا احساس بیدار رکھا، تو درحقیقت اس نے میرا حق محبت ادا کیا، اور مجھ سے محبت رکھنے کی وجہ سے صحابہ سے محبت قائم کی، اور جس نے صحابہ کی طرف سے اپنے دل میں ذرا بھی غبار رکھا، اور اس کے دماغ میں ان بزرگوں کی طرف سے ذرا بھی کدورت پیدا ہوئی۔ تو درحقیقت اس نے میرا حق محبت

فراموش کر دیا، مجھ سے عداوت قائم کی، اور مجھ سے عداوت و بغض رکھنے کی وجہ سے میرے صحابہ سے بغض رکھا ــــ آخر میں فیصلہ کن انداز میں فرماتے ہیں کہ یاد رکھو کہ جس نے صحابہ کو تکلیف پہونچائی، اس نے درحقیقت مجھے تکلیف پہونچائی۔

گویا صحابہ کی راحت و تکلیف حضور کی راحت و تکلیف کے ہم معنی ہے پھر کتنی حیرتناک بات ہے کہ آج رسول اللہ کا امتی اپنے رسول کے ساتھیوں پر تنقید کو جائز قرار دے کر اپنے پیارے رسول کے دل کو ٹھیس پہونچاتا ہے، اور رسول اللہ کے صحابہ پر تنقید کی دھن میں جاہلیت کی وہی ساری سنتیں تازہ کر دیتا ہے جو جاہلینِ مکہ صحابہ کے ساتھ کیا کرتے تھے۔

اس روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو تنقید سے بالاتر قرار دیا۔ اور تنقید سے بالاتر ہستی سوائے معیارِ حق کے اور کوئی نہیں ہے۔ معیارِ حق کے علاوہ تمام انسانوں پر تنقید و تبصرہ درست ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کی مقدس جماعت معیارِ حق ہے یعنی حقانیت اسی جماعت میں دائر ہے۔

۷۔ صحابہ کی زیارت نجات کا سبب

ترمذی شریف میں حضرت جابر رضؓ کی روایت ہے۔

لا تمس النار مسلماً رآنی و رأی من رآنی ۔ (الحدیث)[1]

جہنم کی آگ اس مسلمان کو نہیں چھو سکتی جس نے میری زیارت کی اور

میری زیارت کرنے والوں کی زیارت کی (یعنی صحابہ کی زیارت کی)

اس روایت میں دو طرح کے مسلمانوں پر جہنم کی آگ حرام قرار دی گئی ہے ۔ ایک تو وہ مسلمان جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے شرف یاب ہوا ، یہی وہ سعادت مند مسلمان ہے جسے ساری امت صحابی کے نام سے پکارتی ہے ، دوسرا وہ مسلمان ہے جسے کسی صحابی کی زیارت کی سعادت حاصل ہوگئی ہے ـــــــ دونوں طرح کے مسلمان جہنم کی آگ سے محفوظ رہیں گے اور ان کو جنت کی کامیابی عطا کی جائے گی ۔

مقام عبرت ہے جب کسی صحابی کی زیارت جہنم سے محفوظ کر دیتی ہو اور کامیابی کی وہ حقیقی راہ دکھا دیتی ہو ، جو جنت تک پہنچانے والی ہے ۔ تو پھر کسی صحابی کی پیروی ، اس کے نقش قدم پر دینی و ایمانی سفر جاری کرنا ، اور اس کو اپنے تمام مسائل دین میں حق و باطل کا معیار سمجھنا کیوں کر جہنم سے نجات ۔ اور حقیقی کامیابی کا سبب نہیں بن سکتا ؟ ـــــــ پھر نہیں معلوم وہ کون سی رکاوٹ ہے ۔ جس کی بنا پر بعض لوگ ان کی پیروی سے انکار کر دیتے ہیں جبکہ حضور علیہ السلام نے زیارت پر نجات کے باب میں اپنے اور صحابہ دونوں کے لئے یکساں انداز اختیار فرمایا ہے جس سے رسول اللہ

---

[1] مشکوۃ صفحہ ۵۵۴

صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک صحابہ کی عظمت واہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ تعجب کی بات ہے جس جماعت کی سرکار دوعالم کے نزدیک جو اہمیت وعظمت ہو۔ سرکار کے امتی کے نزدیک اس کی وہ اہمیت نہ ہو بلکہ وہ اس لائق ہو کہ اس پر تنقید کی بوچھار کرنی بھی درست ہو؟ استغفراللہ۔

۸۔ صحابی کی خوشی، رسول اللہ کی خوشی

ایک بار حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن مسعود رضہ کی شخصی عظمت بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

رضیت لامتی ما رضی لہا ابن ام عبد
وکرھت لہا ماکرہ ابن ام عبد لہ۔

میں اپنی امت کے لئے اس بات سے راضی ہوں جس کے لئے ابن ام عبد (حضرت عبداللہ بن مسعود رضہ) پوری رضا دے دیں۔ اور اس چیز کو اپنی امت کے لئے ناپسند کرتا ہوں جسے ابن مسعود رضہ ناپسند کریں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود ایک جلیل القدر صحابی ہیں۔ ان کا مقام اسلام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک یہ ہے کہ جس کام سے حضرت ابن مسعود رضہ راضی ہیں

لہ حاکم، بزار، طبقات الفقہاء صلا جلد ۱ ۱۲

اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی راضی ہیں۔ اور جس عمل کو حضرت ابن مسعود نے ناپسند کیا وہ رسول اللہ کو بھی ناپسند ہے۔ معیار حق کے لئے اس سے بہتر وضاحت کیا ہو سکتی ہے؟
کہ تم سوچتے ہو کہ صحابی کسی ایسے عمل کا حکم دے گا جس سے میں متفق نہیں ہوں گا۔ اور اس سے میری خوشی حاصل نہیں ہو گی۔ ہرگز نہیں۔ جس کام سے صحابی خوش ہے۔ اس کام کو میری رضا بھی حاصل ہے۔

اس کے بعد صحابہ کرام کے اجتہادات اور نظریات کے بارے میں یہ احتمال پیدا کرنا کہ ہو سکتا ہے کہ یہ غلط ہوں یہ کس طرح درست ہو سکتا ہے؟ حضور صحابی کے نظریات سے اپنے اتفاق اور رضا کا اعلان فرما رہے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ صحابہ کے نظریات واجتہادات برحق ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ حق اختلافِ آراء کے وقت انہی کے اقوال میں دائر ہے۔ ان سے باہر نہیں ہے۔

۹۔ صحابہ مشعلِ ہدایت

ایک موقعہ پر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند صحابہ کے مناقب بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر واهتدوا بهدی عمار و تمسکوا

بعہد ابن ام عبد[1] ۔

تم لوگ پیروی کرو ان کی جو میرے بعد رہیں گے یعنی
حضرت ابو بکر، اور حضرت عمر کی ، تم حضرت عمار کی ہدایت
اختیار کرلو - اور حضرت ابن ام عبد کے عہد کو پکڑ لو ۔

اس میں کیسا واضح حکم ہے ۔ حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عمار اور حضرت ابن مسعودؓ کی پیروی کا کہ جب تک میں ہوں ۔ اس وقت تک تو میری اطاعت و بندگی تمہارے لئے کافی ہے ۔ لیکن میرے بعد، حضرت ابو بکر وغیرہ کی اطاعت کرنا ۔ ان کے آثار تمہاری رہنمائی کے لئے کافی ہیں ـــــ اگر یہ اکابر صحابہ معیار حق نہ تھے، تو ان کی اتباع کا حکم کیوں دیا گیا ؟ کیا کسی غیر معیار حق کی پیروی کا بھی حکم دیا جاتا ہے ؟ جب ان بزرگوں کے اتباع کا حکم دیا گیا ۔ تو گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو معیار حق کا عظیم منصب عنایت فرما دیا ۔ ورنہ غیر معیار حق کے لئے تو ہر وقت عملی اور فکری لغزش کا خطرہ ہے ۔ وہ خود کسی معیار حق کا متلاشی ہے ۔ وہ دوسروں کی رہنمائی کیسے کر سکتا ہے ؟

۱۰۔ صحابہ امت کے لئے باعث امن

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرۃ کی روایت ہے

---

[1] طبقات الفقہاء ص۲۶ ، ترمذی ص۲۲۲ ج۲ ، ابن ماجہ ص۱۷ ، مستدرک ص۷۵ ج۳ ، مشکوٰۃ ص۵۶۰ - ۱۲ -

النجوم امنة للسماء فاذا ذهبت النجوم اتى
السماء ماتوعد وانا امنة لاصحابى فاذا ذهبت
انا اتى اصحابى مايوعدون واصحابى امنة لامتى
فاذا ذهبت اصحابى اتى امتى مايوعدون
(الحديث) ؎ ۔

ستارے آسمان کے لئے سبب امن ہیں ۔ جب ستارے
ختم ہو جائیں گے تو آسمان پر وہ سب کچھ پیش آئے گا ۔
جن کا وعدہ کیا گیا ہے ۔ اسی طرح میں اپنے صحابہ کے لئے
باعث امن ہوں ۔ جب میں رخصت ہو جاؤں گا ۔ تو میرے
صحابہ ان چیزوں سے دوچار ہوں گے جن کا وعدہ کیا گیا ہے ۔
اور میرے صحابہ میری امت کے لئے باعث امن ہیں ۔ پھر جب
میرے صحابہ رخصت ہو جائیں گے ۔ تو میری امت کو ان
چیزوں کا سامنا کرنا پڑے گا ۔ جن کا وعدہ کیا گیا ہے ۔

اس حدیث میں وضاحت کے ساتھ صحابہ کی
وہی پوزیشن ظاہر کی گئی ہے ۔ جو ستاروں کی آسمان میں اور
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابہ میں ہے ۔ یعنی ستاروں کا پایا
جانا ۔ آسمان کی حفاظت کی ضمانت ہے ۔ جب ستارے ٹوٹ
پڑیں گے ، تو خدا کے وہ تمام وعدے سامنے آجائیں گے ۔ جو
کئے گئے ہیں ۔ حضور اپنے صحابہ کی محفوظیت کے ضامن ہے ۔

؎ مشکوٰۃ ملتقطہ ۱۲

حضور کی رخصتی کے بعد صحابہ کے ساتھ وہ تمام معاملات اور امور پیش آئیں گے۔ جن کا وعدہ قبل میں کیا جا چکا ہے۔ بالکل اسی طرح صحابہ کرام کی جماعت امت مرحومہ کے لئے باعثِ حفاظت ہے ان کی زندگی میں دین کی روحانیت وعظمت اپنی اصلی حالت میں محفوظ رہے گی۔ مگر ان سب کے رخصت ہوجانے کے بعد امت بے یار ومددگار ہو جائے گی۔ اور خدا کے وہ تمام وعدے پورے ہوں گے، جو صحابہ کے بعد والی امت کے لئے کئے گئے ہیں۔

اس سے بڑھ کر صحابہ کی فضیلت کیا ہو سکتی ہے؟ کہ صحابہ کا وہی مقام عام امتیوں کے درمیان ہے جو ستاروں کا آسمان میں ہے۔ اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ کرام میں تھا ستاروں کے ذریعہ آسمان کی فضا میں روشنی پیدا ہوتی ہے۔ ستارے نہ ہوں تو پوری فضا تاریک ہو جائے ستاروں کے ذریعہ شیطانی حملوں سے آسمان کی حفاظت ہوتی ہے۔ ستارے نہ ہوں تو آسمان حملوں کا شکار ہو جائے ——— اسی طرح رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ صحابہ کو ہدایت کی روشنی ملی۔ اور کفر وشرک کے انجام بد سے ان کی حفاظت ہوئی، اگر حضور نہ ہوتے تو ان کو روشنی نہ ملتی، اور وہ تاریکی میں بھٹکتے رہتے ——— صحابہ کو ان دونوں سے تشبیہ دی گئی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ صحابہ سے امت کو ہدایت کی روشنی ملی۔ انسانیت کی فضا منور ہوئی۔ بدعات وخرافات جہالت ووہم پرستی کی مصیبتوں سے نجات ملی۔ ہزاروں مسائل کو حل کرنے کا

سراج منار اگر صحابہ نہ ہوتے تو امت دیرانیوں کی شکار ہو جاتی۔ ہدایت کا رہ نور نہیں مل پاتا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے تھے بدعات و خطرات کے شدید حملے اسپر اثر انداز ہوتے۔ اور بالآخر تباہی و ہلاکت کے اس تحت الثریٰ میں پہونچا دیتے۔ جو صحابہ کے بغیر اس کے لئے مقدر ہوتا۔

جس طرح تاروں کے بغیر آسمان غیر محفوظ اور تاریک ہے اور رسول پاک کے بغیر صحابہ غیر محفوظ اور غیر ہدایت یافتہ تھے۔ اسی طرح صحابہ کے بغیر امت، غیر محفوظ اور ناکام ہے ـــــ اور یہ شان سوائے معیار حق کے کسی دوسرے فرد کو نہیں دی گئی ہے۔

۱۱۔ صحابی کا دل اور زبان مظہر حق

ایکبار حضرت عمرؓ کے بارے میں آپؐ نے فرمایا۔

ان اللہ جعل الحق علی لسان عمر وقلبہ[1]

بیشک اللہ نے حق عمرؓ کی زبان اور دل پر جاری کر دیا ہے۔

یعنی حضرت عمرؓ کی زبان سے جو کچھ نکلتا ہے یا ان کے دل میں جو کچھ گذرتا ہے وہ حق ہی ہوتا ہے۔ باطل کا خیال بھی حضرت عمرؓ کے دل سے نہیں گذر سکتا۔ اور نہ ان کی زبان پر

---

[1] رواہ الترمذی مشکوٰۃ ص۵۵۹ ۱۲

آسکتا ہے - اس درجہ حفاظت سوائے معیار حق کے اور کس کی ہوتی ہے؟

۱۲- صحابی پر خدا کا الہام

ایک موقع پر حضرت عمر کے بارے میں فرمایا -

لقد کان فیما قبلکم من الامم محدثون

فان یک فی امتی احد فانہ عمرؓ لہ -

تحقیق کہ تم سے پہلے کی امتوں میں محدث (جن کو حق بات الہام کی جاتی ہے) گذرے ہیں - میری امت میں اگر کوئی محدث ہے تو وہ عمرؓ ہیں -

جس شخص پر خدا کا الہام ہوتا ہو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ کوئی غلطی کر رہا ہو - اس سے کوئی لغزش ہو رہی ہو، اور الہام خداوندی اس پر تنبیہ نہ کرے، بلکہ تماشا دیکھتا رہے ـــــــ صحابی پر خدا کا الہام اور اس کے ساتھ اس قسم کی خصوصی نوازش جو اس کی علامت ہے کہ ان کی حفاظت کا انتظام کیا گیا ہے۔ یہ سب اسی معیار حق کو بتاتا ہے . جو اسلام کو مطلوب ہے - اور جس سے یہاں بحث کی جا رہی ہے -

۱۳- صحابی کا ایجاد کردہ رسول خدا کو محبوب

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے

لہ مشکوٰۃ شریف ص۵۵۶ - ۱۲

روی ابونعیم من حدیث عرنیۃ الکندی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ستحدث بعدی اشیاء فاحبہا الیّ ان تلزموا مع ما احدث عمر نہ۔

ابونعیم نے حضرت عروبۃ الکندی کی حدیث روایت کی ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد بہت سی چیزیں ایجاد کی جائیں گی۔ مجھے سب سے زیادہ محبوب یہ ہے کہ تم اس چیز کو لازم پکڑو جو عمر نے ایجاد کیا ہو۔

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ صحابی اگر کوئی نئی چیز بھی ایجاد کرتا ہے تو اسے بدعت نہیں کہہ سکتے بلکہ وہ بھی حق ہے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند ہے۔ تو جب تک صحابی معیار حق نہیں ہیں ان کی ایجاد کردہ اور پیدا کردہ چیز کو پروانۂ حقانیت کیونکر دے دیا گیا یہ روایت بھی صحابہ کے معیار حق ہونے کی واضح دلیل ہے۔

ان روایات کے علاوہ اور بھی بے شمار روایات ہیں جن سے صحابہ کا معیار حق ہونا ثابت ہوتا ہے۔ ہمیں یہاں تمام احادیث کا جمع کرنا مقصود نہیں ہے۔ بلکہ چند احادیث بطور نمونے کے پیش کر دینا مطلوب ہے اور جتنی روایات بھی ذکر کی گئی ہیں وہ سب اپنے اسلوب اور مقصد کے اعتبار سے نہایت واضح

لہ طحطاوی صفحہ ۲۲۹ ۱۴۔

ہیں ۔ ان سب سے صحابہ کا معیار حق ہونا دوپہر کے سورج کی طرح ثابت ہوجاتا ہے ۔ جتنی احادیث بھی پیش کی گئیں ۔ ان کا خلاصہ جمع کیا جائے جو ہر حدیث کے عنوان کی صورت میں ظاہر کیا گیا ہے تو وہ یہ ہونگے نمبر وار بالترتیب دیکھئے ۔

۱ ۔ صحابہ نجوم ہدایت
۲ ۔ صحابہ کا آشیانہ آشیانۂ امن
۳ ۔ خدا کی پسندیدہ جماعت صحابہ ۔
۴ ۔ صحابہ ضلالت کی شب تاریک میں قندیل ہدایت
۵ ۔ خلفاء راشدین کی سنت واجب العمل ۔
۶ ۔ صحابہ تنقید سے بالاتر ۔
۷ ۔ صحابہ کی زیارت نجات کا سبب
۸ ۔ صحابہ کی خوشی ، رسول اللہ کی خوشی ۔
۹ ۔ صحابہ مشعل ہدایت ۔
۱۰ ۔ صحابہ امت کے لئے باعث امن
۱۱ ۔ صحابہ کا دل اور زبان مظہر حق
۱۲ ۔ صحابی پر خدا کا الہام ۔
۱۳ ۔ صحابی کا ایجاد کردہ رسول خدا کو محبوب ۔

غور کا مقام ہے کہ ان اوصاف جمیلہ کا مالک معیار حق نہ ہو تو کیا ہو ، کیا کسی غیر معیار حق جماعت میں بھی بیک وقت یہ تمام اوصاف جمع ہو سکتے ہیں ۔؟

قرآن وحدیث سے ثبوت کے بعد کوئی ضرورت نہیں

دہ جاتی کہ علماء اور محققین کے اقوال اس سلسلے میں پیش کئے جائیں تاہم محض اس لئے کہ یہ معلوم ہو سکے، صحابہ کرام کے بارے میں اسلاف کا مکتبِ فکر کیا رہا؟ اسلاف کی چند عبارتیں ہم نقل کرتے ہیں۔
اس سے قبل گذشتہ صفحات میں ضمنی طور پر بہت سے علماء کی عبارات آچکی ہیں۔ پہلے ان کو دوبارہ دیکھ لیجئے، پھر دوسری عبارتوں پر نگاہ ڈالئے۔

نہ ہو نومید نومیدی زوال علم و عرفاں ہے،
امید مرد مومن ہے خدا کے راز دانوں میں،

عُلماء کے اقوال

۱۔ صحابہ کی پسند۔ اللہ کی پسند ہے

صحابہ کے بارے میں حضرت عبداللہ ابن مسعود کا مشہور ارشاد ہے۔

ان اللہ تعالیٰ نظر فی قلوب العباد فوجد قلب محمد خیر قلوب العباد فاصطفاہ لنفسہ ولیبعثہ برسالتہ ثم نظر فی قلوب العباد بعد قلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم فوجد قلوب اصحابہ خیر قلوب العباد فجعلھم وزراء نبیہ یقاتلون علی دینہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ فما رآہ المسلمون حسنًا فھو عند اللہ حسن[1]۔

بلاشبہ اللہ نے بندوں کے قلوب پر نگاہ ڈالی تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو تمام بندوں کے دلوں میں بہتر پایا۔ پھر ان

---

[1] شرح العقیدۃ الطحاویہ ص۳۹۹، مسند احمد ص۳۷۹/۱ ۔ موطا امام محمد ص۱۱۲، البدایۃ والنہایۃ ص۳۲۸/۱۰ ۔ ۔ ۔ ۱۲ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

کو اپنے لئے چن لیا تاکہ ان کو رسول بناکر بھیجے۔ پھر دوبارہ اس نے بندوں کے قلوب پر نگاہ ڈالی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے قلوب کو سب سے بہتر پایا۔ اس لئے ان کو اپنے نبی کا وزیر اور معتمد بنادیا۔ جو اللہ کے دین کے لئے لڑتے ہیں۔ ۔ ۔ پس جس کو یہ مسلمان (صحابہ) اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔

اس اثر میں حضرت ابن مسعود خدائی تکوین کی خبر دے رہے ہیں۔ اور خدائی تکوین ایک غیر قیاسی اور مخفی چیز ہے۔ جو بغیر وحی کے معلوم نہیں ہو سکتی۔ اس لئے یقیناً حضرت ابن مسعود نے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ اقدس سے سنا ہوگا۔ اور اسی لئے ہمارے بعض علماء نے اسے حدیث رسول قرار دیا ہے۔ معاملہ جو بھی ہو، صحابہ کی فضیلت اور تمام بندوں پر ان کی خصوصی برتری کا ثبوت یہاں سے پورے طور پر ہو رہا ہے۔ اور ان کی اسی قلبی لیاقت وخیریت کی وجہ سے ان کو شرفِ صحابیت سے نوازا گیا۔ اور نبی کریم علیہ السلام کے وزیر اور معتمد کی حیثیت انہیں دی گئی۔

اخیر میں ایک فیصلہ کن بات کہہ گئے کہ صحابہ کی قلبی لیاقت اور خیریت کا تقاضا یہ ہے کہ جس کام کو یہ بہتر سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی بالیقین بہتر ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کسی کام کو صحابہ نے کیا ہو یا کوئی نظریہ صحابہ نے قائم کیا ہو اور وہ خدا کی پسند و مرضی کے خلاف ہو، اور اسے حقانیت حاصل نہ ہو ـــــ یہی معیارِ حق کا مطلب ہے کہ جو وہ کام کرے حق اور درست ہے، اور جو اس کے

خلاف ہو وہ غلط ہے۔

۲۔ صحابہ کی زندگی قابل تقلید

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ایک دوسرا ارشاد ہے

اولئک اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کانوا افضل ھذہ الامۃ ابرھا قلوبا واعمقھا علما واقلھا تکلفا اختارھم اللہ لصحبۃ نبیہ و لاقامۃ دینہ فاعرفوا لھم فضلھم و اتبعوا علی آثارھم وتمسکوا بما استطعتم من اخلاقھم وسیرتھم فانھم کانوا علی الھدیٰ المستقیم [1]۔

صحابہ کرام اس امت میں سب سے زیادہ قلوب کے اعتبار سے پاک علم کے اعتبار سے گہرے۔ اور تکلف کرنے میں بہت کم تھے، یہ وہ قوم ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی صحبت اور دین کی اقامت کے لئے پسند فرمایا۔ تم ان کی قدرشناسی کرو، اور ان کے آثار کی پیروی کرو۔ کیونکہ یہ لوگ سیدھے راستے پر تھے۔

غور کیجئے حضرت ابن مسعود صحابہ کی پیروی پر کس قدر زور دے رہے ہیں۔ اور اس کی ترغیب کے طور پر ان کے چند

---

[1] مشکوٰۃ ص۳۲ • کنز العمال ص۳۰۵ بحوالہ حیاۃ الصحابۃ ص۱۲ ج۱۲

نمایاں صفات کا ذکر کرتے ہیں کہ وہ تمام امت میں سب سے زیادہ نیک دل، علمی گہرائی کے حامل۔ اور بے تکلفی و سادگی کے پیکر تھے۔ ان کے یہ وہ اوصاف ہیں جن کی بنا پر خدائے ذوالجلال نے اپنے نبی کی صحبت، اور اعلاء دین کے لئے ان کا انتخاب فرمایا۔ اور ان کے سر پر تمام انسانیت کی قیادت کا تاج رکھا۔ اس لئے ان کے فضل و بزرگی کی قدر کرو، ان کے آثار قدم پر چلو، اسلئے کہ یہ بالیقین سیدھے راستے پر تھے۔

حضرت ابن مسعود رض تو صحابہ کی تقلید پر اس قدر زور دیں اور دوسرے لوگ اس تقلید کو ذہنی غلامی قرار دیں۔ کتنی قابلِ افسوس بات ہے۔

۳- صحابہ ہمارے دین کیلئے واسطہ ہیں

صاحب اصابہ تحریر فرماتے ہیں۔

ان الرسول حق والقرآن حق وماجاء به حق ـ ـ ـ ـ ـ ـ وانما ادی الینا کلہ الصحابۃ وھؤلاء یریدون ان یجرحوا شھودنا لیبطلوا الکتاب والسنۃ والجرح بھم اولی وھم زنادقۃ[1]۔

---

[1] الاصابہ ص۱۱ جلد ۱ ۱۲

بیشک رسول حق ہے قرآن حق ہے۔ اور جو کچھ قرآن اور رسول نے بیان کیا وہ حق ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور یہ سب ہم تک صحابہ نے نقل کیا۔ اور یہ لوگ چاہتے ہیں کہ ہمارے گواہوں کو مجروح کر دیں تاکہ کتاب و سنت باطل ہو جائے، حالانکہ ان جرح کرنے والوں اور صحابہ کے ناقدین پر جرح کرنا زیادہ مناسب ہے۔ یہ لوگ زندیق ہیں۔

صحابہ کرام ہی نے ہم تک دین اسلام کا مکمل ذخیرہ پہونچایا ہے۔ اگر انہی کے بارے میں کسی قسم کی بے دلی اور بے اعتمادی پیدا ہو گئی، تو درحقیقت کتاب و سنت بھی غیر معتبر ہو جائے گی۔ صاحب اصابہ بڑے سخت انداز میں ناقدینِ صحابہ پر تنقید کرتے ہیں کہ یہ کم بخت ہمارے گواہوں اور واسطوں پر تبصرہ کرکے ان کو بے اعتبار دکھانا چاہتے ہیں۔ تاکہ ہماری کتاب و سنت کا کچھ اعتبار نہ رہ جائے حالانکہ ان کم بختوں اور بدنصیبوں پر جرح کرنا، اور ان پر تنقید کی بوچھار کرنا زیادہ مناسب ہے۔ آخر میں اپنا فیصلہ بھی سنا دیا کہ ایسے لوگ دیندار یا اسلام کے بہی خواہ کیا معنی؟ یہ زندیق ہیں۔ دین سے نکلے ہوتے ہیں اور اسلام سے ان کو صرف برائے نام مناسبت ہے۔

ہمارے زمانے میں بھی جو لوگ صحابہ پر تنقید کے روادار ہیں وہ اپنے انجام سے واقف ہو جائیں اور دیکھ لیں کہ صحابہ کے ناقدین اسلافِ امت کے نزدیک کتنے مبغوض اور ناپسندیدہ ہیں۔

۴ - رسول خدا کی تعظیم، صحابہ کی تعظیم میں پنہاں

قاضی عیاض فرماتے ہیں۔

ومن توقیرہ صلی اللہ علیہ وسلم توقیر اصحابہ وبرہم ومعرفۃ حقہم والاقتداء بہم وحسن الثناء علیہم والاستغفار لہم والامساک عما شجر بینہم ومعاداۃ من عاداہم والاضراب عن اخبار المؤرخین وجہلۃ الرواۃ[1]۔

اور رسول پاک کی تعظیم یہ ہے کہ آپ کے صحابہ کی عزت کی جائے۔ ان کی طرف سے دل پاک رکھا جائے۔ ان کے حقوق کو جانا جائے۔ ان کی پیروی کی جائے۔ ان کی مدح سرائی کی جائے ان کے لئے دعائے مغفرت کی جائے اور زبان ان کے مشاجرات اور آپسی اختلافات کے بارے میں روک لی جائے۔ اور تاریخی اور مجہول روایات کی طرف توجہ نہ دی جائے۔

قابل تعجب بات ہے کہ جو لوگ رسول پاک کی عظمت کا ڈھنڈھورا پیٹتے ہیں۔ مگر آپ کے صحابہ کے بارے میں دریدہ دہنی کے روادار ہیں۔ ایسے تمام لوگوں پر قاضی عیاض

---

[1] الاسالیب البدیعۃ ص ۱۲

کیسی چوٹ کر رہے ہیں کہ اگر صحابہ کی عظمت دل میں نہیں۔ اور ان کی عزت ملحوظ نہیں رکھی گئی تو گویا رسول پاک کی عظمت اور عزت نہیں کی گئی ـــــ اگر رسول پاک کی تعظیم مقصود ہو۔ اور آپ کی روح اقدس کو خوش کرنا ہو، تو صحابہ کی تعظیم کی جائے۔ ان کی مدح سرائی میں زبان ہر وقت زمزمہ سنج رہے۔ ان کے مشاجرات اور اختلافات سے خاموشی برتی جائے۔ اور ان کی پیروی و اقتدار کی امکانی کوشش کی جائے۔

کوئی شخص صحابہ پر تنقید و تبصرہ کا تو قائل ہو۔ اور اس کے باوجود یہ توقع رکھتا ہو کہ ہمارے رسول ہم سے خوش ہوں گے۔ اور آپ کی شفاعت ہمیں نصیب ہوگی تو یہ ایک دور از امکان امید۔ اور احمقانہ خیال ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے قاضی عیاض کی عبارت بڑی عبرت انگیز ہے۔

ان فی ذلک لذکریٰ لمن کان لہ قلب او القی السمع وھو شہید۔

۵۔ صحابہ کی اقتدا نہ کرنے والا مستحق سزا

شیخ الاسلام علامہ بدرالدین عینی شارح بخاری "بنایہ شرح ہدایہ" میں فرماتے ہیں۔

سیرۃ عمر لا شک ان فی فعلھا ثوابا

وفی ترکھا عقاب لانا امرنا بالاقتداء

بهما لقوله عليه السلام اقتدوا بالذين من بعدى ابى بكر وعمر فاذا كان الاقتداء بهما مامورا به يكون واجبا وتارك الواجب يستحق العقاب والعتاب[1] ۔

کوئی شک نہیں کہ حضرت عمرؓ کی سنت پر چلنے میں ثواب ہے ۔ اور اس کو چھوڑنے میں گناہ ۔ اس لئے کہ ہمیں دونوں بزرگ (حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ) کی اقتداء کا حکم دیا گیا ہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد ابوبکر وعمر کی اقتداء کرو ، پس جب ان دونوں کی پیروی کا حکم آچکا ہے تو یہ واجب ہوگیا ۔ اور واجب کا چھوڑنے والا سزا کا مستحق ہے ۔

اس سے سمجھ میں آتا ہے کہ ان کے نزدیک دونوں بزرگ صحابی کی کتنی عظمت ہے ۔ یہ ان کی پیروی کو واجب سمجھتے ہیں ۔ اور اس کو چھوڑنے والے کو گنہگار اور مستحق عذاب قرار دیتے ہیں ـــ مگر افسوس ہے ہمارے زمانے کے بہادروں پر کہ ان کے نزدیک نہ صرف یہ کہ صحابہ کی تقلید ضروری نہیں بلکہ ان پر تنقید بھی جائز ہے ۔ بلکہ تقلید کرنی ذہنی غلامی کے مرادف ہے ۔ جو ہر اس انسان کے لئے جو آزادی پسند ہو کسی صورت میں مناسب نہیں ہے ۔

---

[1] بحوالہ فتاوی قیام الملۃ والدین صفحہ ۲۴۲ ، ۱۲

۶ - صحابہ سے بہتر کوئی جماعت نہیں

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔

ما رأیت قوماً کانوا خیراً من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ ؎۱

میں نے کوئی قوم نہیں دیکھی۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے بہتر ہو۔

حضرت ابن عباس کے نزدیک صحابہ سے بہتر کوئی جماعت نہیں تھی، پھر نہیں معلوم ان پر تنقید کیوں کر جائز ہو گی؟ اور ان کی تقلید کیوں کر ناجائز ہو گی؟ جو قوم اپنی سب سے بہترین جماعت کی تقلید نہیں کرتی۔ بلکہ الٹے اس پر تنقید کرتی ہو۔ وہ قوم کیسے فلاح یاب ہو سکے گی؟ اور دنیا و آخرت میں اسے کس طرح سرخروئی و شادکامی مل سکے گی۔

۷ - صحابہ کی اطاعت خدا کی اطاعت کی تکمیل ہے

حضرت عمر ابن عبدالعزیز ارشاد فرماتے ہیں۔

سن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وولاۃ الامر

؎۱ انصاف مع کشاف صفحہ ۱۲

من بعده سننا الاخذ بها تصديق لكتاب الله
و استكمال لطاعة الله وقوة على دين الله من
عمل بها مهتدى ومن استنصر بها منصور ومن
خالفها و اتبع غير سبيل المومنين ..... وولاه
ما تولى وصلاه جهنم وساءت مصيراً [1] -

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ طریقے مقرر فرمائے ہیں
اور آپ کے بعد آپ کے جانشین اور والا مرینی صحابہ نے کچھ طریقے
مقرر فرمائے، ان کا اختیار کرنا۔ کتاب اللہ کی تصدیق۔ اللہ کی
اطاعت کی تکمیل اور خدا کے دین کی نصرت ہے۔ جو اس سے
قوت حاصل کرے گا۔ اس کی مدد کی جائے گی۔ اور جو ان کی مخالفت
کرے گا۔ اور اہل اسلام کے راستے کے خلاف چلے گا۔ اللہ تعالیٰ
اس کو اسی طرف موڑ دے گا جس طرف اس نے رخ کیا ہے۔ پھر
اس کو جہنم میں داخل کرے گا۔ اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔

حضرت عمر ابن عبد العزیز کے ارشاد کے مطابق صحابہ
کی اطاعت، ان کی سنتوں کی تقلید درحقیقت کتاب اللہ
کی تصدیق اور اللہ کی اطاعت کی تکمیل ہے۔ اس سے انسان کو
وہ قوت حاصل ہوتی ہے جس سے وہ دین کو غالب کرنے کی
کوشش کرتا ہے۔ جو شخص کام اس کے مطابق کرتا ہے وہ کامیاب
ہوتا ہے۔

---

[1] جامع بیان العلم وفضلہ صہ ۱۸۷/۱۲ ۱۲

مگر جو لوگ صحابہ کی راہ کے خلاف چلتے ہیں خدا ان کو ڈھیل دیتے ہیں، یہاں تک کہ وہ یوم موعود آجائے جس دن انہیں خدا جہنم میں جھونک دیں گے جو کہ بدترین ٹھکانہ ہے۔

جو لوگ خیال کرتے ہیں غلط کرتے ہیں کہ صحابہ کی پیروی اور ان کو معیار حق ماننے کی وجہ سے خدا اور رسول کی اطاعت مکمل نہ ہوسکے گی۔ اور اطاعت جو صرف خدا اور رسول کیلئے ہے۔ اس میں دوسرے کو شریک کرنا لازم آئے گا ـــــ حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے اس شبہ کو دھو دیا کہ یہ سمجھنا غلط ہے۔ بلکہ صحابہ کی پیروی کتاب اللہ کی تصدیق۔ اور اطاعت الٰہی کی تکمیل ہے۔ جو صحابہ کی پیروی نہیں کرتا اور ان کی سنتوں پر عمل نہیں کرتا وہ کتاب اللہ کی تصدیق نہیں کرتا ہے۔ اور اس کی اطاعت الٰہی ناقص ہے۔ اس کے بعد کیا گنجائش رہ جاتی ہے کہ صحابہ کو معیار حق نہ سمجھا جائے۔ اور ان پر تنقید کو جائز سمجھا جائے۔

۸ ـ حضرت امام حسن بصری کی رائے قبل میں گذر چکی ہے

۹ ـ حضرت محمد ابن سیرین سے ایک مسئلہ پوچھا گیا۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ حضرت عمر رضہ اور حضرت عثمان غنی رضہ اس کو مکروہ سمجھتے تھے۔ اگر یہ علم تھا تو وہ دونوں مجھ سے بڑے عالم تھے اور اگر ان کی ذاتی رائے تھی تو ان کی رائے میری رائے سے افضل ہے [۱]۔

---

[۱] جامع بیان العلم و فضلہ ص۲/۲۸ بحوالہ صحابہ معیار حق ۱۲۔

۱۰- صحابہ کی راہ سے الگ جہالت کی راہ ہے

حضرت امام اوزاعی فرماتے ہیں

یا بقیۃ العلم ماجاء عن اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم وما لم یجی عن اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم فلیس بعلم۔ لہ

اے بقیہ علم تو وہ ہے جو صحابہ کرام سے آیا۔ اور جو صحابہ کرام سے ثابت نہیں وہ علم نہیں ہے۔

حضرت امام اوزاعی تو صحابہ کی راہ کے علاوہ دوسری راہ کو جہالت کی راہ قرار دیں مگر ہمارے زمانہ کے روشن خیال دانشوران صحابہ کی راہ پر چلنے کو ذہنی غلامی سمجھیں۔ اور ان کی راہ پر تنقید کی تلوار لے کر بیٹھ جائیں کہ جو بھی صحابی اس راہ سے گذرے گا کسی کی گردن محفوظ نہیں رہ سکتی یہ بہت حسرتناک بات ہے۔

۱۱- صرف صحابہ کی رائے قابل عمل

حضرت عامر شعبی فرماتے ہیں۔

ماحدثوک عن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ

لہ جامع بیان العلم صفحہ ۲۹ ج ۲۔

علیہ وسلم فخذ بہ وما قالوا فیہ برأیہم

فبل علیہ لہ۔

جو باتیں تمہارے سامنے صحابہ کرام سے نقل کی جائیں انہیں

اختیار کر لو۔ اور جو اپنی سمجھ اور رائے سے کہیں۔ اسے نفرت کے

ساتھ چھوڑ دو۔

حضرت عامر شعبی کی رائے میں بھی صحابہ کی رائے قیمتی اور

قابل تقلید ہے۔ اور صحابہ کے علاوہ دوسرے حضرات کی رائے ان کے

نزدیک قابلِ تقلید نہیں۔ بلکہ وہ نفرت کے ساتھ چھوڑ دینے کے لائق

ہے۔

مگر ہمارے زمانے کے مسلمانوں کا معاملہ بالکل الٹ گیا ہے

صحابہ کی بات تو قابل تنقید ہے۔ مگر ان کے علاوہ چودھویں صدی

کا آدمی بھی کوئی بات کہتا ہے تو وہ تسلیم کر لینے کے قابل ہے۔ اس پر

تنقید بالکل نہیں کی جا سکتی۔ اگر تنقید کی جاتی ہے تو یہ تنگ نظری اور

رجعت پسندی کے مترادف سمجھی جاتی ہے۔

۱۲۔ علامہ ابن تیمیہ کی رائے قبل میں گذر چکی ہے۔ ان کی مزید

رائیں دیکھنے کے لئے رجوع کیجئے (منہاج السنۃ ص ۲۴۵ جلد ۲ اور

اقامۃ الدلیل ص ۱۳۰ جلد ۲)

۱۳۔ نجات صحابہ کی راہ میں ہے

امام ربانی مجدد الف ثانی تحریر فرماتے ہیں۔

لہ جامع بیان العلم ص ۳۲/۳۶ - ۱۲ -

پیغمبر صادق علیہ من الصلوٰۃ افضلہا و من التسلیمات اکملہا، چنانچہ فرق ناجیہ از آن فرق متعددہ فرمودہ است الذین هم علی ما انا علیہ واصحابی یعنی آن فرقہ ناجیہ آناں اند کہ ذکر اصحاب با وجود کفایت بذکر صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ دریں موطن برائے آں تواں بود کہ تا بداند کہ طریق من ہماں طریق اصحاب است و طریق نجات منوط با تباع طریق ایشاں است الخ ؎

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجات یافتہ جماعت کی پہچان میں یہ فرمایا کہ جو اس طریقہ پر ہو جس پر میں ہوں اور میرے صحابہ۔ ظاہراً اتنا فرما دینا کافی تھا کہ جس پر میں ہوں۔ مگر صحابہ کا ذکر اپنے ساتھ کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سب جان لیں کہ میرا جو طریقہ ہے وہی میرے اصحاب کا طریقہ ہے۔ اور نجات کی راہ صحابہ کی پیروی ہی میں منحصر ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی صحابہ کی پیروی میں نجات کو منحصر قرار دے رہے ہیں۔ مگر آج کے بعض مسلمان صحابہ کی پیروی کو ذہنی غلامی قرار دے رہے ہیں۔ اور ان کی راہ سے الگ چلنے کو روشن خیالی اور ذہنی آزادی سمجھ رہے ہیں۔ استغفر اللہ

۱۴۔ صحابہ کے اقوال واجب التسلیم ہیں

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں

؎ مکتوبات ربانی ص ۱۲۲ و ص ۱۳۱ ۱۳۲ ۱۴

معرفت حق و باطل بفہم صحابہ و تابعین	حق و باطل کا معیار صحابہ اور تابعین
است، آنچہ ایں جماعت از تعلیم	کی سمجھ ہے جس چیز کو انہوں نے آنحضرت
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بانضمام قرائن	صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے قرائن
حالی و مقالی فہمیدہ اند در آں تخطیہ	حالی و مقالی کو سامنے رکھ کر سمجھا
ظاہر نکردہ واجب القبول است[1]	ہے۔ اس کا تسلیم کرنا واجب ہے

اس عبارت کا حاصل اس کے سوا کچھ نہیں کہ صحابہ حق و باطل کے معیار ہیں۔ اور ان کے جو اقوال ہم تک اس حال میں پہونچے ہیں، جس میں کسی قسم کی غلطی ظاہر نہیں کی گئی ہے، اس کو قبول کرنا ہر مسلمان کے لئے واجب ہے۔

۱۵ - صحابہ انبیاء کے حکم میں

حضرت شاہ صاحب اپنی ایک دوسری تصنیف "تحفۂ اثنا عشریہ" میں صحابہ کے مقام و مرتبہ پر بحث کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

بالیقین ایں جماعت ہم در حکم	یقیناً یہ جماعت بھی انبیاء کے
انبیاء خواہند بود[2]	حکم میں ہوگی۔

یعنی جس طرح انبیاء معیار حق ہیں ان پر تنقید نہیں کی جا سکتی۔ اور ان کی تقلید ضروری ہے۔ اسی طرح حضرات صحابہ کرام

---

[1] فتاوی عزیزی ص۱۵۱ ج۱ - ۱۲ [2] تحفۂ اثنا عشریہ فارسی ص۵۲۹ ۱۲

بھی معیارِ حق ہیں۔ ان پر تنقید نہیں کی جا سکتی۔ اور ان کی تقلید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر امتی پر لازم ہے۔

یہ اسلاف کی وہ مقدس ترین جماعت ہے جن کی گرد پا بھی تمام دنیا اور مافیہا کی قیمتوں سے بڑھ کر ہے۔ ان سب کا اتفاق آپ نے دیکھ لیا کہ صحابہ معیارِ حق ہیں۔ تنقید سے بالاتر ہیں ان کی پیروی ضروری ہے۔ مگر آج امت مسلمہ کے زوال کی علامت یہ ہے کہ کچھ لوگ اس کے درمیان سے یہ کہتے ہوئے اٹھتے ہیں کہ صحابہ معیارِ حق نہیں ہیں۔ ان کی تقلید ذہنی غلامی، اور فکری پستی کے مترادف ہے۔ اور امت کے بہت سے افراد ان کو قبولیت بخش دیتے ہیں۔ اور ان کے دل میں یہ احساس نہیں گذرتا کہ ہم نے ان کو قبولیت عطا کرکے کتنے ہی بزرگوں اور اسلاف کی روحوں کو تکلیف پہونچائی ہے جس کی تلافی اس کے سوا کچھ نہیں کہ اپنی اس حرکت سے توبہ کی جائے۔ اور صحابہ کے بارے میں اسی مکتب فکر کی طرف عود کر لیا جائے، جو اسلاف کا تھا۔

صحابہ پر کوئی تنقید جائز نہیں ہے

بعض لوگ اس قسم کی باتوں کو تنگ نظری سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں تنقید اس معنی میں جائز ہے کہ ان کے حالات کی جانچ پڑتال کرکے صحیح نتیجہ پر پہونچا جائے ۔۔۔ اولاً لفظ تنقید اردو زبان میں حالات کے محاسبہ کے لئے استعمال نہیں

ہوتا ، عربی میں ہوتا ہو تو ہونے دیجئے ۔ مگر اردو میں لفظ تنقید کسی کے لئے توہین آمیز اور طعن وتشنیع سے پُر تبصرہ پر بولا جاتا ہے ۔

دوسرے عام طور پر جو لوگ تنقید کے حامی ہیں ، ان کے ذہنوں میں یہ تقسیم نہیں ہوتی کہ ہم تنقید صرف اس معنی میں کر رہے ہیں کہ صحابہ کے حالات کی تحقیق کریں ۔ اور اس کی وجہ یہی ہے کہ اردو میں لفظ تنقید اس کے لئے بولا ہی نہیں جاتا ۔ اسلئے کسی بھی تنقید کی اجازت دینا فتنے کا دروازہ کھولنا ہے ۔

تیسری بات یہ ہے کہ جب اللہ نے ان کے گذشتہ اور آئندہ حالات کی تحقیق کے بعد ان کو عادل ۔ ثقہ ۔ معتبر اور قابل تقلید قرار دیا ۔ تو پھر مزید تحقیق کی ضرورت ہی کیا رہ جاتی ہے ۔ مزید تحقیق کا خواہاں ہونا ، در پردہ خدائی تعدیل اور خدائی اعلان کی طرف سے بے اعتمادی کی بات ہے کہ خدا کی تحقیق پر آپ کو بھروسہ نہیں ہے ۔ خدا نے رسول اور ان کے صحابہ کا دل جیتنے کے لئے ان کے سامنے ایسی باتیں کر دی تھیں (نعوذ باللہ) اسلئے آپ مزید تحقیق کریں گے ۔

اور خدا کے بارے میں یہ بدگمانی کوئی ملحد ہی رکھ سکتا ہے ، کسی مسلمان سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی ۔ اسی لئے اسلاف امت نے صحابہ کے بارے میں دونوں طرح کی تنقید کو ناجائز قرار دیا ۔ وہ تنقید بھی جو طعن اور توہین کے لئے ہو ۔ اور وہ تنقید بھی جو ان کے حالات کی تحقیق وتجسس کے لئے ہو ، ہم بزرگوں کی بعض عبارات پیچھے نقل کر چکے ہیں ۔ جن سے ہر طرح کی تنقید

پر بندہ لگ جاتی ہے کچھ اور نئی عبارتیں ہم ناظرین کی تشفی کے لئے نقل کر دیتے ہیں ۔

۱ ۔ تنقید اس معنیٰ میں کہ صحابہ کو برا بھلا کہنا مقصود ہو ۔ اس کے بارے میں علامہ ذہبی نے مستقل ایک فصل ہی قائم کی ہے ۔ اس سلسلے میں ایک طویل گفتگو کے بعد فرماتے ہیں ۔

فمن طعن فیھم او سبھم — جس نے ان صحابہ پر طعن وتشنیع کی یقینا وہ دین سے نکل گیا۔
فقد خرج من الدین
ومرق من ملة المسلمین[۱] — اور ملۃ اسلامیہ کو خیر باد کہدیا۔

اس لئے طعن وتشنیع کی نیت سے تو کسی تنقید کی کسی کے نزدیک بشرطیکہ مسلمان ہو گنجائش ہے ہی نہیں ۔ بحث اس بارے میں نہیں ہے ۔ بحث اس تنقید کے بارے میں ہے ۔ جو آپ کے بقول تحقیق وتعدیل کے لئے کی جا رہی ہے ——— اس کے بارے میں علامہ ابن صلاح لکھتے ہیں ۔

۲ ۔ للصحابة باسرھم خصیصة وھی انه لا یسئل عن عدالة احد منھم بل ذلك امر مفروغ منه لکونھم علی الاطلاق معدلین بنصوص الکتاب والسنة[۲] ۔

صحابہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ان میں سے کسی کی عدالت کے بارے میں کسی سوال کی گنجائش نہیں ہے بلکہ

---

[۱] الکبائر صفحہ ۲۳۸ ۱۲ ۔

[۲] علوم الحدیث صفحہ ۲۶۴ ۱۲

اس کام سے فراغت ہو چکی ہے۔ اسلئے کہ کتاب اللہ اور سنت
رسول اللہ کی نصوص نے مطلق طور پر ان سب کو عادل قرار دیا
ہے۔

آپ سمجھ رہے ہیں؟ کہ یہ "عادل" کیا ہے، وہی معیار حق کا ہم معنی لفظ ہے جس کے اندر ثقاہت، صداقت، دیانت، علمی تحقیق، اور عملی ثبات سب جمع ہو جاتے ہیں ـــ ابن صلاح کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جب خدا اور رسول نے علی الاطلاق صحابہ کی پوری جماعت کو عادل اور معتبر قرار دیا تو پھر ان میں سے کسی بھی صحابی کے بارے میں اس سوال کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے کہ ان کے حالات کیسے تھے؟ اور ان کے حالات کے نتائج کیا ہیں؟

۲۔ ایک دوسرے محقق امام خطیب فرماتے ہیں۔

وجمیع ذلك یقتضی القطع بتعدیلهم
ولا یحتاج احد منهم مع تعدیل الله الی
تعدیل احد من الخلق [1]۔

ان سب کا تقاضا یہ ہے کہ صحابہ سب کے سب یقیناً
عادل ہیں۔ اور اللہ کی تعدیل کے بعد کسی مخلوق کی تعدیل کی ان
میں سے کسی کو ضرورت نہیں ہے۔

پھر کتنی حیرت انگیز بات ہو گی، کہ یہ علماء اور محققین تو صحابہ کے بارے میں مزید تجسس کو مہمل بتائیں، مگر ہمارے زمانہ کے محققین اس کے لئے کمربستہ نظر آئیں۔ اور ان کی نگاہ دنیا

[1] الاصابۃ ص۱ج۱ وص۱ج۱ ۱۲

اور پوری انسانیت کی ہزاروں کمزوریوں کو چھوڑ کر صحابہ کرام کی کمزوریوں پر جا گرے اور وہاں سے چیخنے لگے کہ یہ فلاں صحابی کی کمزوری ہے اور یہ فلاں کی ہے ـــــ نعوذ باللہ، اللہ تمام مسلمانوں کی اس قسم کے بدخیالات سے حفاظت فرمائے (آمین)

"نقش آخر"

اس پوری تفصیلی گفتگو سے نہ کسی کی دلخراشی مقصود ہے۔ نہ کسی کی شخصیت پہ علمی حملے کرنا میری نیت ہے۔ اور نہ اس سے کسی قلمی پیکار کا آغاز کرنا چاہتا ہوں۔

میں نے اپنے اس مضمون میں جو کچھ بھی تلخ و شیریں باتیں کہی ہیں، اس کا واحد مقصد ملت اسلامیہ کی خیر خواہی ہے۔ ملت میں فرقہ بندیاں اور گروہی تقسیمیں ہو چکی ہیں جس کی وجہ سے ملت سخت کمزوری کی شکار ہے۔ میری کوشش رہی ہے کہ میری یہ گفتگو اعتدال کی حامل ہو، جس میں نہ افراط ہو نہ تفریط۔ جو دونوں فریق کے لئے قابلِ تسلیم ہو۔

میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ صحابہ کی مقدس جماعت کے بارے میں ہر اس دروازے کو بند کر دیا جائے جہاں سے فتنوں کو راہ مل سکتی ہو۔ اور نوبت دریدہ دہنی۔ دشنام طرازی اور آپسی قتل و خون تک پہونچتی ہو۔ صحابۂ کرام کے بارے میں نہ ایسی عقیدت درست ہے کہ ان کو نبی کے ہم پلہ قرار دیا جائے اور نہ ایسی بے عقیدتی درست ہے کہ ان کو کسی مقام ہی میں نہ رکھا جائے۔ اور ان پر تنقید تک جائز ہو جائے۔

مسلمانو! صحابہ کرام کا وہ مقدس گروہ ہے جس نے بلاواسطہ چشمۂ نبوت سے سیرابی حاصل کی، جس نے پیکر نبوت کے تمام خط وخال کا مشاہدہ کیا۔ نزولِ وحی کے تمام مناظر ان کے سامنے گذرے۔ فرشتوں کی آمد ورفت ان کی مجلسوں میں ہوئی۔ نبی کی پوری مقدس زندگی ان کے درمیان گذری۔ نبی نے اپنی ہر بات کا امین ومحافظ اپنی اسی جماعت کو بنایا۔ اور یہ حکم دیا کہ جو لوگ اب تک اس دنیا میں نہیں آتے ہیں، ان تک میرا پیغام پہونچا دو جس کا نصف صاع جو صدقہ کرنا بعد والوں کے پہاڑ برابر سونا صدقہ کرنے سے بڑھ کر ہے، جنہوں نے نبی کی حفاظت کے لئے اپنا خون تک بہایا۔ اس دین کی حفاظت کے لئے جو آج ہمارے پاس ہے، سب سے پہلے یہی وہ جماعت ہے جو آگے بڑھی، اور ساری دنیا میں اپنی دینیت کا سکہ جما دیا۔

خدارا! اپنے واسطوں کو زخمی نہ کرو۔ ان پر تنقید کے نیزے نہ چلاؤ، جنہوں نے تمہارے نبی کی حفاظت کے لئے اپنی جان کی بازی لگائی۔ ان کے ساتھ دغا نہ کرو، قریش مکہ اور تمام دشمنوں نے خود ہی ان کے جسموں کو چھلنی کر دیا ہے۔ ان کو زخموں سے نڈھال کر دیا ہے۔ خدارا! ان کے زخموں پر نمک پاشی نہ کرو، ان پر مزید حملے نہ کرو، ان کو حفاظت ومحبت کے آشیانے دو، ان پر عقیدت کے پھول نچھاور کرو۔

میرا یہی وہ پرسوز پیغام ہے جس کو پہونچانے کی میں نے کوشش کی ہے۔ خدا کرے ہر قرین کو یہ باتیں پسند آئیں اور

تمام مسلمان اس پلیٹ فارم پر جمع ہو جائیں کہ صحابہ کی عقیدت ومحبت کو اپنے دل میں رکھ کر دین کی راہ میں صحابہ کی طرح قربانیاں دیں گے۔ اور اسلام جو خود ہمارے گھروں میں بے نوا اور مسکین بنا ہوا ہے اسے خود اپنے عمل وکردار سے بھی مضبوط بنانے کی سعی کریں اور غیر مسلم تک بھی اسلام کا پیغام پہونچانے کی کوشش کریں

یاد رکھو! جب ہماری چند روزہ زندگیاں ختم ہو جائیں گی اور ہم بروز محشر خدا کے حضور پیش کیے جائیں گے اس دن اگر اس نے یہ سوال کر دیا کہ میرے نبی کے صحابہ کے بارے میں تمہاری چہ می گوئیاں کیوں تھیں؟ کیا تم نے ان صحابہ کے برابر تو کیا ان کا عشر عشیر بھی قربانی دی؟ اور دین کی راہ میں جد وجہد کی؟ اپنے کمروں اور گھروں میں بیٹھے رہنے سے زیادہ تمہارا کوئی کام نہ تھا۔ صرف اپنی خواہشات کی تکمیل تمہارا شیوہ تھا۔ پھر تم نے پہلے اپنی اصلاح کیوں نہ کی؟ کہ تم میرے برگزیدہ بندوں کی غلطیاں چننے میں لگ گئے۔ بتائیے اس وقت ہمارا کیا جواب ہوگا۔

ع یہ میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہونچے۔

والسلام

اختر امام عادل

معین مدرس دار العلوم دیوبند
ساکن منورواشریف یوسف سوہا
وایا بھتانی بازار ضلع سمستی پور۔ بہار۔
پن کوڈ ۸۴۸۲۵۷۔